ارکانِ اسلام سے متعلق

اہم فتاوے

(تحفة الإخوان بأجوبة مهمة تتعلق بأركان الإسلام)

تألیف

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز حفظہ اللہ
مفتی اعظم سعودی عرب

جمع و ترتیب

محمد بن شایع بن عبد العزیز الشایع

اُردو ترجمہ

ابو المکرم بن عبد الجلیل　　عتیق الرحمٰن الاثری

دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد (شعبہ بیرونی شہریان) سلطانہ ۔ ریاض
فون ۴۲۴۰۰۷۷ پوسٹ بکس نمبر ۹۲۶۷۵ ریاض ۱۱۶۶۳ ۔ سویدی روڈ
مملکت سعودی عرب

ارکانِ اسلام سے متعلق

اہم فتاوے

(تحفة الإخوان بأجوبة مهمة تتعلق بأركان الإسلام)

تألیف

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ
مفتیٔ اعظم سعودی عرب

جمع وترتیب

محمد بن شایع بن عبدالعزیز الشایع

اُردو ترجمہ

ابوالمکرّم بن عبدالجلیل — عتیق الرحمٰن الاثری

دفترِ تعاون برائے دعوت وارشاد (شعبہ بیرونی شہریان) سلطانہ - ریاض
فون ۴۲۴۰۰۷۷ پوسٹ بکس نمبر ۹۲۶۷۵ ریاض ۱۱۶۶۳ - سویدی روڈ
مملکت سعودی عرب

ارکانِ اسلام سے متعلق
اہم فتاوے

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ الثَّقَلَيْنِ لِعِبَادَتِهِ ، وَأَرسَلَ الرُّسُلَ بِذٰلِكَ ، عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ، وَ بَيَّنَ فِي كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ الأَمِينِ تَفَاصِيلَ هٰذِهِ الْعِبَادَةِ الَّتِي خُلِقُوا لَهَا ، وأوجَبَ عَلَى الْعِبَادِ أَدَاءَ مَا فَرَضَ عَلَيْهِمْ مِنْهَا وَ تَرْكَ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ عَنْ إِخْلَاصٍ لَهُ سُبْحَانَهُ وَرَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ ، وَوَعَدَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ الأَجْرَ الْعَظِيْمَ وَالنَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ فِي دَارِ الْكَرَامَة ، وَ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيْكَ لَهُ ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ وَخَلِيْلُهُ ، صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ، اَمَّا بَعْدُ :

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی عبادت کے لئے جن وانس کی تخلیق فرمائی، انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول امین - صلی اللہ علیہ وسلم - کی سنت میں اس عبادت کی تفصیلات بیان فرمائیں، ساتھ ہی بندوں پر یہ واجب قرار دیا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کے فرائض کی ادائیگی کریں اور محرمات سے بچیں، پھر بندوں کے اس عمل کے صلہ میں اللہ نے ان سے اجر عظیم کا اور دار کرامت (جنت) میں دائمی نعمتوں کا وعدہ فرمایا- میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد - صلی اللہ علیہ وسلم - اللہ کے بندے اور رسول و خلیل ہیں، آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر اور تا قیامت ان کی سچی پیروی کرنے والوں پر اللہ کی طرف سے رحمت وسلامتی نازل ہوتی رہے - امابعد :

ارکان اسلام : عقیدہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج سے متعلق سوالات کے یہ اہم جوابات ہیں، جن کو میں نے ایک کتاب کی شکل میں اکٹھا کر دیا ہے، تاکہ ہر مسلمان کے

لئے ان کا پڑھنا اور ان سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے' اس کتاب کا نام میں نے "تُحفَةُ الاِخوَانِ بِاَجوِبَةٍ مُهِمَّةٍ تَتَعَلَّقُ بِاَركَانِ الاِسلام" (یعنی ارکان اسلام سے متعلق اہم فتاوے) رکھا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے' اور جن لوگوں نے اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا ہے ان کو اجر عظیم سے نوازے' بیشک اللہ بڑا اکرم نواز اور سخی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحبِهِ.

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
مفتی اعظم سعودی عرب
رئیس مجلس کبار علماء
رئیس ادارہ علمی تحقیقات وافتاء

عقیدہ

سوال ۱ :

بعض اسلامی معاشرے میں بہت سی خلاف ورزیاں پائی جاتی ہیں' جن میں سے بعض کا تعلق تو قبروں سے ہے' اور بعض کا تعلق حلف 'قسم اور نذر وغیرہ سے ہے' اور چونکہ ان میں سے بعض شرک اکبر کے قبیل سے ہوتی ہیں جن کے کرنے سے انسان دین سے خارج ہو جاتا ہے' اور بعض اس سے ہلکی ہوتی ہیں' اس لئے ان کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں' اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ ان لوگوں کے لئے مذکورہ مسائل کے احکام تفصیل سے بیان کر دیں' اور عام مسلمانوں کو بھی ان امور میں سستی و کاہلی برتنے سے منع کرتے ہوئے نصیحت فرمادیں؟

جواب :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ' وصَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ' و عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ و مَنِ اھْتَدیٰ بِھُدَاہُ' اَمَّا بَعْدُ :

بہت سے لوگوں کو اس بات کی تمیز ہی نہیں ہو پاتی کہ قبروں کے پاس کیا کیا چیزیں مشروع ہیں' اور کون کون سے کام شرک اور بدعت ہیں' جبکہ بہت سے لوگ جہالت اور اندھی تقلید کے سبب بعض اوقات شرک اکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں' ایسی صورت میں ہر جگہ کے علماء پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے لئے دین کو واضح کریں' توحید اور شرک کی حقیقت ان سے بیان کریں' اور ساتھ ہی ساتھ وہ انہیں شرک کے اسباب و وسائل نیز ان کے اندر پھیلی ہوئی نوع بنوع بدعتوں سے آگاہ کریں' تاکہ وہ

ان سے اجتناب کر سکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُۥ ﴾

(سورۃ آل عمران : ۱۸۷)

اور (اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ تم اس کتاب کو (جو تمہیں دی گئی ہے) لوگوں سے (صاف صاف) بیان کر دینا اور اسے چھپانا نہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ ٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِى ٱلْكِتَٰبِ ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟ وَبَيَّنُوا۟ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۱۵۹)

بیشک جو لوگ ہماری اتاری ہوئی کھلی نشانیوں اور ہدایت کی باتوں کو کتاب (تورات) میں ہمارے لوگوں سے بیان کر دینے کے بعد چھپاتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں، مگر جنھوں نے توبہ کی اور نیک بن گئے اور کھول کر بیان کر دیا، تو ان کی توبہ میں قبول کرتا ہوں، اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جو کسی بھلے کام کی رہنمائی کرے گا تو اسے بھی اس کام کے کرنے والے کے برابر اجر ملے گا" (صحیح مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو راہ ہدایت کی دعوت دے گا تو اسے بھی اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا' اور یہ ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا' اور جو راہ ضلالت کی طرف بلائے گا تو اس کے اوپر بھی اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ہو گا' اور یہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ کرے گا" (صحیح مسلم)

نیز صحیحین میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے"

علم کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلانے' نیز علم کو چھپانے یا اس سے بے رخی برتنے سے دور رہنے کے سلسلہ میں اور بھی بہت ساری آیات و احادیث وارد ہیں۔

البتہ قبروں کے پاس جو طرح طرح کے شرک و بدعات اکثر ملکوں میں کئے جاتے ہیں تو یہ چیز بالکل عیاں ہیں' اس پر خصوصی توجہ دے کر لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرنا اور اس کے انجام سے ڈرانا چاہیئے' مثلاً مردوں کو پکارنا' ان سے فریاد کرنا' اور بیماروں کے لئے شفا اور دشمنوں پر فتح وغیرہ کا سوال کرنا' یہ سارے کام شرک اکبر ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (سورة البقرہ : ۲۱)

اے لوگو ! اپنے پروردگار کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا' تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾

(سورۃ الذاریات : ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اور فرمایا :

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ﴾ (سورۃ الاسراء : ۲۳)

اور تیرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (سورۃ البینہ : ۵)

حالانکہ اہل کتاب کو یہی حکم ہوا تھا کہ وہ یکسو ہوکر خالص اللہ ہی کی بندگی کریں۔

اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔

جس عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کو پیدا کیا اور جس کا انہیں حکم دیا وہ یہی توحید عبادت ہے'یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' قربانی' نذر اور ان کے علاوہ ہر طرح کی عبادت و اطاعت کو اللہ کے لئے خاص کر دیا جائے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِى وَنُسُكِى وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِى لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴾ (سورۃ الانعام : ۱۶۲)

(اے پیغمبر) کہہ دیجئے بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے یہی حکم ہوا ہے' اور میں (اس امت میں) سب سے پہلا مسلمان

ہوں۔

مذکورہ آیت میں "نسک" سے مراد عبادت ہے' اور قربانی بھی عبادت کی ایک قسم ہے۔

اور فرمایا :

(سورۃ الکوثر : ۱'۲)

(اے پیغمبر) ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے' تو (اس کے شکر میں) اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے غیر اللہ کے لئے قربانی کی" (صحیح مسلم بروایت امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا﴾ (سورۃ الجن : ۱۸)

اور مسجدیں اللہ ہی (کی عبادت) کے لئے ہیں' تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾

(سورۃ المومنون : ۱۱۷)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں' تو اللہ ہی کے پاس اس کا حساب ہونا ہے' بیشک کافر کامیاب

نہیں ہوں گے۔

اور فرمایا :

﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ ٱلْمُلْكُ ۚ وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴾

(سورۃ فاطر : ۱۲'۱۳)

یہی اللہ تمہارا رب ہے' اسی کی بادشاہت ہے' اور (اے مشرکو) جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں' اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں' اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کام نہ بنا سکیں' اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے' اور تم کو (اللہ) خبر رکھنے والے کے برابر کوئی خبر نہیں دے سکتا۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے لئے نماز پڑھنا اور قربانی کرنا' نیز مردوں' بتوں' درختوں اور پتھروں کو پکارنا یہ سب اللہ کے ساتھ شرک اور کفر کرنا ہے' اور اللہ کے سوا جن جن چیزوں کو پکارا جاتا ہے خواہ وہ نبی ہوں یا فرشتے' ولی ہوں یا جن' بت ہوں یا کچھ اور' انہیں اپنے پکارنے والوں کے نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں' اور اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکارنا شرک اور کفر ہے' ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اول تو یہ اپنے پکارنے والے کی پکار سن نہیں سکتے' اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو ان کا کچھ بنا نہیں سکتے۔

لہٰذا تمام مکلف جن اور انسان پر واجب ہے کہ وہ خود ایسے کاموں سے بچیں اور دوسروں کو بھی ان سے دور رہنے کی تاکید کریں' اور کھول کر بیان کر دیں کہ یہ سب

کام باطل اور رسولوں کی لائی ہوئی توحید و اخلاص کی دعوت کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (سورۃ النحل : ۳۶)

اور ہم تو ہر قوم میں ایک پیغمبر (یہ حکم دے کر) بھیج چکے ہیں کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچے رہو۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ (سورۃ الانبیاء : ۲۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی پیغمبر بھیجے اس پر یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی سچا معبود نہیں، تو میری ہی بندگی کرتے رہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے، انہیں شرک سے ڈراتے اور کلمۂ لا الہ الا اللہ کا مفہوم واضح کرتے رہے، تو کچھ لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کی اور اکثر نے غرور و تکبر میں آکر آپ کی اتباع و فرمانبرداری کرنے سے انکار کر دیا، پھر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہاں انصار اور مہاجرین کے درمیان اللہ کی دعوت کو پھیلایا، اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور امراء اور بادشاہوں کے پاس خطوط لکھ کر ان کے سامنے اپنی دعوت اور لائی ہوئی شریعت کو واضح کیا، اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام مصیبتوں پر آپ نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے صبر کیا، یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہوا اور لوگ اللہ کے دین میں جوق درجوق داخل ہوئے، توحید کا بول بالا ہوا اور مکہ و مدینہ اور سارے جزیرہ

عرب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کے ہاتھوں شرک کا خاتمہ ہوا' آپ کے بعد دعوت دین کی ذمہ داری آپ کے صحابہ نے سنبھالی اور اس کے لئے مشرق و مغرب میں جہاد کا پرچم لہرایا' یہاں تک کہ اللہ نے انہیں دشمنوں پر غلبہ عطا کیا' روئے زمین پر ان کی سلطنت قائم ہوئی' اور اللہ کے وعدہ کے مطابق اس کا دین تمام دینوں پر غالب ہوا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُشْرِكُونَ ﴾ (سورۃ التوبہ :۳۳' الصف : ۹)

وہ اللہ ہی ہے جس نے پیغمبر کو ہدایت کی باتیں اور سچا دین دے کر اس لئے بھیجا کہ اس کو ہر دین پر غالب کردے گو مشرکوں کو برا لگے۔

اسی طرح بدعت اور شرک کے اسباب و وسائل میں سے وہ تمام کام بھی ہیں جو قبروں کے پاس کئے جاتے ہیں' مثلاً قبروں کے پاس نماز پڑھنا' قرآن کی تلاوت کرنا اور ان کے اوپر مسجد اور قبے تعمیر کرنا' یہ سارے کام بدعت' خلاف شرع اور شرک اکبر کا ذریعہ ہیں' اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا" (متفق علیہ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا)

نیز صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"سنو ! تم سے پہلے کے لوگ اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا کرتے تھے' خبردار ! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور اس مفہوم کی دیگر حدیثوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا کرتے تھے' اور پھر آپ نے اپنی امت کو ان کی مشابہت اختیار کرکے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے' ان کے پاس نماز پڑھنے' یا قیام کرنے' یا قرآن کی تلاوت کرنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ یہ سارے کام شرک کے اسباب و وسائل میں سے ہیں' اور ایسے ہی قبروں پر عمارت اور قبے بنانا اور ان پر چادریں چڑھانا بھی شرک اور مردوں کے حق میں غلو کا سبب ہے' جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے نیز امت محمدیہ کے جاہل عوام نے کیا' یہاں تک کہ انہوں نے مردوں کی عبادت کی' ان کے لئے قربانی کی' ان سے فریاد کیا' ان کے لئے نذر مانی اور ان سے بیمار کے لئے شفا اور دشمنوں پر فتح و غلبہ کا سوال کیا' اور یہ ساری باتیں اس شخص سے مخفی نہیں جس نے حسین' بدوی' شیخ عبدالقادر جیلانی اور ابن عربی وغیرہ کی قبروں پر ان سب خرافات کا مشاہدہ کیا ہو' واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے' ان پر بیٹھنے اور عمارت بنانے اور ان پر لکھنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ سارے کام شرک اکبر کا ذریعہ ہیں۔

لہٰذا تمام مسلمانوں پر۔ خواہ حکومتیں ہوں یا افراد۔ واجب ہے کہ وہ شرک و بدعات سے دور رہیں اور جب انہیں دین کے کسی معاملہ میں اشکال ہو جائے تو ان علماء سے دریافت کرلیں جو عقیدہ کی درستگی اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے میں مشہور و معروف ہیں' تاکہ وہ علم و بصیرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرسکیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَسْئَلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (سورۃ الانبیاء : ۷)

اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جو شخص علم کی طلب میں کوئی راستہ چلے گا تو اللہ اس کے لئے اس کے بدلے جنت کا راستہ آسان کر دے گا"

اور فرمایا :

"اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے"

اور یہ بات معلوم ہے کہ بندوں کی پیدائش بے مقصد نہیں' بلکہ انہیں ایک بڑی حکمت اور بہترین مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے' اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ کی عبادت کرنا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (سورۃ الذاریات : ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

نیز یہ بات بھی مسلم ہے کہ اس عبادت کی جان کاری کتاب و سنت کے اندر غور و تدبر کر کے' اللہ اور اس کے رسول نے جن عبادات کا حکم دیا ہے ان کی معرفت کر کے' اور اشکال کے وقت اہل علم سے دریافت کر کے ہی حاصل ہو گی' پس اس طریقہ سے اللہ کی عبادت کی معرفت حاصل کی جائے گی جس کے لئے اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے' اور مشروع طریقہ پر اسے ادا کیا جائے گا' اور اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کے کرم سے سرفرازی نیز اس کے غضب و عقاب سے نجات کا یہی واحد راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے' انہیں

دین کی سمجھ عطا کرے' نیک اور بہترین لوگوں کو ان کا حاکم بنائے' ان کے رہنماؤں کی اصلاح فرمائے' اور ان کے علماء کو اپنی دعوت و تعلیم اور نصیحت و ارشاد کی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق دے۔

شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غیراللہ مثلاً نبیوں کی' کسی کے سر کی' کسی کی زندگی کی' اور امانت اور بزرگی کی قسم کھائی جائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جسے قسم کھانی ہی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے" (متفق علیہ)

"جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا" اس حدیث کو امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا :

"جس نے غیراللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا" اسے ابو داؤد اور ترمذی نے بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا :

"جس نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں"

اور فرمایا :

"لوگو ! تم اپنے ماں باپ کی اور شرکاء کی قسم نہ کھاؤ' اور جب اللہ کی قسم کھاؤ تو سچ بات ہی پر کھاؤ"۔ اس مفہوم کی اور بھی بہت ساری احادیث مروی ہیں۔

غیراللہ کی قسم کھانا شرک اصغر ہے' لیکن اگر اس قسم سے اللہ کی تعظیم کی طرح غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہو' یا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کے سوا وہ نفع اور نقصان کا مالک ہے' یا یہ

کہ اس لائق ہے کہ اسے پکارا جائے یا اس سے فریاد کی جائے' تو یہ شرک اکبر تک پہنچا سکتا ہے۔ شرک اصغر ہی کے قسم سے درج ذیل جملے بھی ہیں :

"جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے" اور "اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتے" اور "یہ اللہ اور فلاں کی طرف سے ہے"' اس قسم کی تمام باتیں شرک اصغر ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"یہ نہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے' بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر یوں کہا جائے : "اگر اللہ نہ ہوتا پھر فلاں نہ ہوتا" یا "یہ اللہ کی طرف سے پھر فلاں کی طرف سے ہے" تو اس میں کوئی حرج نہیں' اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ شخص اس کام کے حصول کا سبب ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک صحابی آئے اور آپ سے عرض کیا : "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں" تو آپ نے ان سے فرمایا : "تم نے تو مجھے اللہ کا شریک بنا دیا' بلکہ یوں کہو : جو صرف اللہ چاہے"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے : "جو صرف اللہ چاہے" تو یہی افضل ہے' لیکن اگر ایسا کہدے "جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے" تو کوئی حرج نہیں' اس طرح سے تمام حدیثوں اور دلیلوں میں تطبیق ہو جاتی ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲ :

بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی محبت و اطاعت کے وسیلہ کے درمیان اور آپ کی ذات اور جاہ و مرتبہ کے وسیلہ کے درمیان کوئی

فرق نہیں کرتے، جبکہ بعض لوگ آپ کی زندگی میں آپ کی دعا کا وسیلہ لینے کے درمیان اور آپ کی وفات کے بعد آپ سے دعا طلب کرنے کے درمیان خلط ملط کر دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں مشروع وسیلہ اور ممنوع وسیلہ کے درمیان تمیز مشکل ہو جاتی ہے، کیا اس سلسلہ میں کوئی تفصیل ہے جس سے یہ اشکال دور ہو جائے، اور ان باطل پرستوں کی تردید ہو جائے جو اس قسم کے مسائل میں مسلمانوں کو الجھائے رکھتے ہیں؟

جواب :

یہ سچ ہے کہ بہت سے لوگ جہالت اور حق بات کی رہنمائی کرنے والوں کی قلت کے سبب مشروع وسیلہ اور ممنوع وسیلہ کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، حالانکہ دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، مشروع وسیلہ وہ ہے جس کے ساتھ اللہ نے رسولوں کو بھیجا، آسمان سے کتابیں اتاریں اور جس کے لئے جن اور انسان کو پیدا کیا، اور وہ ہے اللہ کی عبادت کرنا، اس سے اور اس کے رسول سے نیز تمام رسولوں اور مومنوں سے محبت کرنا، اور اللہ و رسول پر اور ان تمام باتوں پر ایمان لانا جن کی اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے، مثلاً مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، جنت و جہنم اور وہ تمام باتیں جن کی اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی ہیں، یہ سب جنت میں داخل ہونے، جہنم سے نجات پانے اور دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لئے مشروع وسیلہ ہیں۔

مشروع وسیلہ کی صورتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ سے اس کے اسماء و صفات، اس کی محبت، اس پر ایمان اور اپنے ان نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے

جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے' اور انہیں اپنی رضا و خوشنودی اور جنت کے حصول نیز مشکلات سے نجات اور دنیا و آخرت میں تمام امور کی آسانی کا وسیلہ قرار دیا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

(سورۃ الطلاق : ۲)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لئے (ہر آفت میں) ایک راستہ نکال دے گا' اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴾ (سورۃ الطلاق : ۴)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کیلئے اسکے کام میں آسانی کر دے گا۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّـَٔاتِهِۦ وَيُعْظِمْ لَهُۥٓ أَجْرًا ﴾ (سورۃ الطلاق : ۵)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے گناہ اس پر سے اتار دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّ ٱلْمُتَّقِينَ فِى جَنَّـٰتٍ وَعُيُونٍ ﴾ (سورۃ الذاریات : ۱۵)

بیشک پرہیزگار لوگ جنت اور چشموں میں ہوں گے۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّـٰتِ ٱلنَّعِيمِ ﴾ (سورۃ القلم : ۳۴)

بیشک پرہیزگاروں کے لئے ان کے مالک کے پاس نعمت کے باغات ہیں۔

اور فرمایا :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ (سورۃ الانفال : ۲۹)

مومنو ! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تمہارے چھٹکارے کی صورت نکال دے گا' اور تمہارے گناہ تم پر سے اتار دے گا' اور تم کو بخش دے گا۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیتیں وارد ہیں۔

مشروع وسیلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' آپ پر ایمان اور آپ کی شریعت کی اتباع کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگی جائے' کیونکہ یہ سب عظیم ترین نیک اعمال اور قربت الٰہی کے بہترین وسائل میں سے ہیں۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ سے' یا آپ کی ذات سے' یا آپ کے حق سے' یا دیگر انبیاء اور صالحین کے جاہ و مرتبہ سے' یا ان کی ذات سے' یا ان کے حق سے وسیلہ لینا' تو یہ سب بدعت ہیں' شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں' بلکہ یہ شرک کے اسباب و وسائل میں سے ہیں' کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا' جب کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے حق سے سب سے زیادہ واقف تھے' اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو انہوں نے ہم سے پہلے اسے کیا ہوتا' اور ایسے ہی جب امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک بار قحط پڑا تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جاکر آپ کا وسیلہ نہیں لیا اور نہ آپ کی قبر کے پاس دعا کی' بلکہ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کی' چنانچہ وہ منبر پر کھڑے

ہوئے اور فرمایا : اے اللہ ! جب ہم اپنے نبی کے دور میں قحط کا شکار ہوتے تھے تو اپنے نبی کے وسیلہ سے تجھ سے بارش طلب کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کرتا تھا' اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تجھ سے بارش طلب کر رہے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر' اور پھر بارش ہوتی تھی (صحیح بخاری)

پھر انہوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو دعا کرنے کا حکم دیا' انہوں نے دعا کی اور تمام مسلمانوں نے ان کی دعا پر آمین کہی اور اللہ نے لوگوں کو سیراب کیا۔

اس سلسلہ میں غار والوں کا قصہ بھی مشہور ہے جو صحیحین میں مروی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں سے تین آدمیوں نے بارش کی وجہ سے رات گذارنے کے لئے ایک غار میں پناہ لی' جب وہ غار میں داخل ہوگئے تو پہاڑ سے ایک چٹان کھسک کر آئی جس سے غار کا منہ بند ہوگیا اور وہ اسے ہٹا نہ سکے' چنانچہ انہوں نے باہم یہ طے کیا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کا صرف ایک راستہ ہے' وہ یہ کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا و فریاد کرے' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا وسیلہ لیا' دوسرے نے زنا پر قادر ہونے کے باوجود اپنی پاکدامنی کا اور تیسرے نے اپنی امانتداری کا وسیلہ لیا' آخر کار اللہ نے چٹان کو ہٹا دی اور وہ باہر نکل آئے۔ یہ قصہ اس بات کی ایک ٹھوس دلیل ہے کہ نیک اعمال مشکلات و مصائب سے نجات اور دنیا و آخرت کی سختیوں سے عافیت کے عظیم ترین اسباب میں سے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ کسی شخص کے جاہ و مرتبہ سے' یا اس کی ذات سے' یا اس کے حق سے وسیلہ لینا مذموم بدعت اور شرک کے وسائل میں سے ہے۔ رہا مردے کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا تو یہ شرک اکبر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قحط کے زمانہ میں آپ سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کرتے' اور اپنے نفع بخش امور میں آپ سے سفارش کرواتے تھے' لیکن جب آپ کی وفات ہوگئی تو اس کے بعد انہوں نے آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا' اور نہ ہی شفاعت وغیرہ طلب کرنے کے لئے وہ کبھی آپ کی قبر پر آئے' کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ چیز جائز نہیں' بلکہ یہ چیز آپ کی وفات کے پہلے آپ کی زندگی تک مخصوص تھی' اب اس کے بعد قیامت کے دن ہی آپ سے شفاعت طلب کی جائے گی' جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ قیامت کے دن جب تمام مومن آدم' نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جائیں گے تاکہ یہ ان کے لئے سفارش کریں کہ اللہ ان کا حساب و کتاب شروع کرے اور وہ جنت میں داخل ہوں' تو ان میں سے ہر شخص نفسی نفسی کہہ کر معذرت کر دے گا اور دوسرے کے پاس بھیج دے گا' اور جب آخر میں یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے تو وہ معذرت کرتے ہوئے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کر دیں گے' یہاں تک کہ جب لوگ آپ کے پاس پہنچیں گے تو آپ اللہ کے وعدہ کے مطابق فرمائیں گے : "میں ہی اس کے لئے ہوں' میں ہی اس کے لئے ہوں"۔ پھر آپ جائیں گے اور اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور کثرت سے اس کی حمد و تعریف کریں گے' یہاں تک کہ آپ سے کہا جائے گا : سر اٹھاؤ اور کہو بات سنی جائے گی' مانگو دیا جائے گا اور سفارش کرو قبول کی جائے گی۔

یہی حدیث شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر اللہ نے ذیل کی آیت

میں کیا ہے :

﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (سورۃ الاسراء : ۷۹)

عنقریب تیرا رب تجھے مقام محمود پر پہنچادے گا۔

اللہ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب پر اور آپ کی سچی اتباع کرنے والوں پر رحمت و سلامتی نازل فرمائے' اور ہمیں آپ کی شفاعت نصیب فرمائے' بیشک وہ سننے والا اور قریب ہے۔

سوال ۳ :

دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جن کا شمار امت مسلمہ میں ہوتا ہے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے معنی و مفہوم سے ناواقف ہوتے ہیں' جس کے نتیجہ میں ان سے ایسے ایسے اقوال و افعال سرزد ہو جاتے ہیں جو کلمہ کے سراسر منافی یا اس میں نقص کا سبب ہوتے ہیں' سوال یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا صحیح مفہوم' نیز اس کے تقاضے اور اس کی شرطیں کیا ہیں؟

جواب :

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یقیناً دین کی بنیاد اور اسلام کا پہلا رکن ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : اس بات کی گواہی دینا کی اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا' اور بیت اللہ کا حج کرنا" (متفق علیہ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما)

اور صحیحین ہی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے فرمایا :

"تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں' تو تم سب سے پہلے انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' جب وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں یہ بتانا کہ اللہ نے رات اور دن میں ان کے اوپر پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں یہ بتانا کہ اللہ نے ان کے اوپر زکوٰۃ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائے گی" (متفق علیہ)

اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

کلمۂ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' اس کلمہ سے اللہ کے سوا ہر چیز سے سچی الوہیت کی نفی' اور خالص اللہ کے لئے اس کا اثبات ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ هُوَ ٱلْبَٰطِلُ ﴾ (سورۃ الحج : ۶۲)

یہ اس لئے کہ اللہ ہی سچا معبود ہے' اور اس کے سوا یہ لوگ جس کو پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴾ (سورۃ المومنون : ۱۱۷)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے گا جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے' تو اللہ ہی کے پاس اس کا حساب ہونا ہے' بیشک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

اور فرمایا :

﴿ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۶۳)

لوگو ! تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں' وہ بہت رحم کرنے والا' مہربان ہے۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ﴾ (سورۃ البینہ : ۵)

حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ وہ یکسو ہو کر خالص اللہ کی بندگی کریں۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیتیں وارد ہیں۔

یہ کلمہ کسی شخص کے لئے اسی وقت نفع بخش ہوگا اور اسے شرک سے نکال کر دائرہ اسلام میں داخل کرے گا جب وہ اسے زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہی اس کے معنی و مفہوم سے واقف ہو' اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر عمل کرے' منافقین زبان سے یہ کلمہ پڑھتے تھے مگر اس کے باوجود وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے' کیونکہ انہوں نے نہ اس کی تصدیق کی اور نہ اس پر عمل کیا' اسی طرح یہود بھی اس کلمہ کے قائل تھے مگر اس کے باوجود وہ انتہائی درجہ کے کافر شمار ہوئے' کیونکہ ان کا اس پر ایمان نہیں تھا' اسی طرح اس امت میں قبروں اور ولیوں کی پرستش کرنے والے کافر' یہ بھی زبان سے اس کلمہ کو پڑھتے ہیں' مگر اپنے اقوال و

افعال اور عقائد سے اس کی صریح مخالفت کرتے ہیں' لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے یہ کلمہ نہ تو فائدہ مند ہوگا اور نہ ہی اسے محض زبان سے کہہ لینے سے وہ مسلمان ہو جائیں گے' کیونکہ انہوں نے اپنے اقوال و افعال اور عقائد سے اس کی کھلی مخالفت کی ہے۔

بعض اہل علم نے کلمۂ شہادت کی آٹھ شرطیں بتائی ہیں اور انہیں درجہ ذیل دو شعروں میں یکجا کر دیا ہے :

عِلْمٌ يَقِيْنٌ وَ إِخْلَاصٌ وَصِدْقُكَ مَعَ ۔۔۔ مَحَبَّةٍ وَانقِيَادٌ وَالقَبُولُ لَهَا

و زِيدَ ثَامِنُهَا الكُفْرَانُ مِنكَ بِمَا ۔۔۔ سِوَى الإِلٰهِ مِنَ الأَشْيَاءِ قَدْأُلِهَا

یعنی علم' یقین' اخلاص' صدق' محبت' تابعداری' اور اس کی قبولیت' اور مزید آٹھویں شرط اللہ کے سوا جن جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار۔

ان دونوں شعروں میں کلمہ کی تمام شرطوں کو جمع کر دیا گیا ہے' اور ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

۱ ۔ اس کے معنی کا علم جو جہالت کے منافی ہو' جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' پس اللہ کے سوا جن جن معبودوں کی لوگ عبادت کرتے ہیں وہ سب کے سب باطل ہیں۔

۲ ۔ یقین جو شک کے منافی ہو' پس کلمہ پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اس بات پر کامل یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔

۳ ۔ اخلاص' اور یہ اس طرح کی بندہ اپنی ساری عبادتیں خالص اپنے مالک اللہ کے لئے کرے' اگر اس نے عبادت کی کوئی بھی قسم اللہ کے سوا کسی نبی' یا ولی' یا فرشتہ' یا بت یا جن وغیرہ کے لئے کی تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہوگا اور اس کے کلمہ شہادت سے اخلاص کی شرط مفقود ہوگی۔

۴ - صدق' یعنی وہ اس کلمہ کے اقرار میں سچا ہو' اس کا دل اس کی زبان سے' اور اس کی زبان اس کے دل سے ہم آہنگ ہو' اگر اس نے زبان سے اسے پڑھ لیا مگر دل میں اس کی تصدیق نہیں تو یہ اس کے لئے سودمند نہیں' اور وہ دیگر منافقوں کی طرح کافر شمار ہو گا۔

۵ - محبت' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے' اگر اس نے اسے زبان سے پڑھ لیا مگر اس کا دل اللہ کی محبت سے خالی ہے تو وہ منافقوں کی طرح کافر اور اسلام سے خارج شمار ہو گا۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ ﴾ (سورۃ آل عمران : ۳۱)

(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو' اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا۔

اور فرمایا :

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۱۶۵)

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک بناتے ہیں اور اللہ کے برابر ان سے محبت رکھتے ہیں' اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے محبت رکھنے میں سب سے زیادہ ہیں۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔

۶ - اس کے معنی و مدلول کی تابعداری' یعنی وہ صرف اللہ کی عبادت کرے' اس کی شریعت کا تابعدار ہو' اس پر ایمان لائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہی حق ہے' اگر اس

نے کلمہ پڑھ لیا' لیکن خالص اللہ کی بندگی نہیں کی اور نہ ہی اس کی شریعت کے تابعداری کی' بلکہ غرور و تکبر سے کام لیا تو وہ ابلیس اور اس کے مانند لوگوں کی طرح مسلمان نہیں ہوگا۔

۷ - اس کے معنی و مدلول کی قبولیت' یعنی وہ اس بات کو قبول کرے کہ اللہ کے سوا ہر چیز کی عبادت کو چھوڑ کر خالص اسی کی بندگی کرنا ہے اور یہی کلمہ کا مدلول ہے' نیز وہ اس کا التزام کرے اور اس سے مطمئن ہو۔

۸ - اللہ کے سوا تمام چیزوں کی عبادت کا انکار' یعنی وہ غیر اللہ کی عبادت سے کنارہ کش ہو اور یہ اعتقاد رکھے کہ غیر اللہ کی عبادت باطل ہے' جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۲۵۶)

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر دے اور اللہ پر ایمان لے آئے' تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں' اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

"جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا' اور اللہ کے سوا تمام چیزوں کی عبادت کا انکار کیا' تو اس کا مال اور اس کا خون حرام ہوگیا' اور اس کا حساب اللہ کے حوالے ہے" (صحیح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا :

"جس نے اللہ کو ایک جانا' اور اللہ کے سوا تمام چیزوں کی عبادت کا انکار کیا' تو اس کا مال اور اس کا خون حرام ہوگیا" (صحیح مسلم)

لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مذکورہ بالا شرطوں کی رعایت کرتے ہوئے کلمۂ طیبہ کے تقاضے پورے کریں' اور جب کسی شخص نے اس کے معنی کو سمجھ لیا اور اس پر کاربند ہوگیا تو اب وہ حقیقی مسلمان ہے جس کا مال اور خون حرام ہے' اگرچہ وہ ان شرطوں کی تفصیلات سے واقف نہ ہو' کیونکہ حق بات کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہی مقصود ہے۔

مذکورہ آیت میں ''طاغوت'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۵۶)

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کردے' اور اللہ پر ایمان لے آئے' تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔

اور فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (سورۃ النحل : ۳۶)

اور ہم تو ہر قوم میں ایک پیغمبر (یہ حکم دے کر) بھیج چکے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچے رہو۔

البتہ وہ لوگ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے اور وہ اس سے قطعاً راضی نہیں' مثلاً انبیاء' صالحین اور فرشتے' تو یہ طاغوت نہیں ہیں' بلکہ ایسی صورت میں طاغوت در حقیقت شیطان ہے جس نے ان کی عبادت کو لوگوں کے لئے مزین کیا اور اس کی دعوت دی' ہماری دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ہر بلا سے محفوظ

رکھے (آمین)۔

رہے وہ اعمال جو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے کلی طور پر منافی ہیں' اور وہ اعمال جو کلی طور پر نہیں بلکہ کمال توحید کے منافی ہیں' تو ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہر وہ عمل' یا قول' یا اعتقاد جو انسان کو شرک اکبر میں مبتلا کر دے وہ کلی طور پر کلمہ کے منافی ہے' جیسے مردوں' فرشتوں' بتوں' درختوں' پتھروں اور ستاروں وغیرہ کو پکارنا' ان کے لئے قربانی کرنا' نذر ماننا اور انہیں سجدہ کرنا وغیرہ' یہ سارے کام کلی طور پر توحید کی ضد اور اس کے منافی ہیں' اور ان سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار باطل ہو جاتا ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور دین میں ان کی حرمت بالکل واضح اور مسلم ہے انہیں حلال سمجھنا' جیسے زناکاری' شراب نوشی' والدین کی نافرمانی' اور سودخوری وغیرہ' نیز اللہ نے جو اقوال و افعال واجب قرار دیئے ہیں' اور دین میں ان کی فرضیت بالکل واضح اور مسلم ہے ان کا انکار' جیسے پنج وقتہ نماز' زکوٰۃ' رمضان کے روزے' والدین کے ساتھ حسن سلوک' اور شہادتین کے اقرار کی فرضیت کا انکار۔

رہے وہ اقوال و اعمال اور عقائد جو ایمان اور توحید میں کمزوری کا سبب' اور اس کے واجبی کمال کے منافی ہیں' تو یہ بہت سے ہیں' انہیں میں سے ایک شرک اصغر ہے جیسے ریاکاری' غیر اللہ کی قسم کھانا' اور یہ کہنا کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے' یا یہ اللہ کی طرف سے اور فلاں کی طرف سے ہے' وغیرہ۔ اور یہی حکم تمام معصیت اور گناہوں کا بھی ہے' یہ بھی توحید اور ایمان میں کمزوری کا سبب اور اس کے واجبی کمال کے منافی ہیں' لہٰذا ان تمام اقوال و افعال اور عقائد سے دور رہنا واجب ہے جو کلی طور پر توحید اور ایمان کے منافی ہیں یا ان کے ثواب میں کمی کا باعث ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان قول و عمل کا مجموعہ ہے' جو اطاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے' اور اس کی دلیلیں بے شمار ہیں' جنہیں اہل علم نے عقیدہ و تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں وضاحت سے ذکر کیا ہے' جو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے گا وہ ان ساری دلیلوں سے ضرور واقف ہو گا' انہی دلیلوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے :

﴿ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾

(سورۃ التوبہ : ۱۲۴)

اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کے ایمان کو اس سورت نے بڑھادیا' تو جو لوگ ایمان والے ہیں انہی کے ایمان کو اس سورت نے بڑھایا اور وہی خوشی مناتے ہیں۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾

(سورۃ الانفال : ۲)

مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں' اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ ان کے ایمان کو بڑھادیتی ہیں' اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اور فرمایا :

﴿ وَيَزِيدُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ٱهۡتَدَوۡاْ هُدًىۗ ﴾ (سورة مریم : ۷۶)

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہیں اللہ مزید ہدایت سے نوازتا ہے۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں۔

سوال ۴ :

موجودہ دور میں اللہ کے وجود اور اس کی ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے مقالات، تالیفات اور محاضرات کا کثرت سے اہتمام کیا جاتا ہے، مگر توحید الوہیت جو اس کا لازم اور تقاضا ہے اس کے اثبات کے لئے اس سے استدلال نہیں کیا جاتا، جس کے نتیجہ میں لوگوں کے درمیان توحید الوہیت سے ناواقفیت، اور اس سلسلہ میں سستی و کاہلی پائی جاتی ہے، اس لئے بہتر ہو گا کہ آپ توحید الوہیت کی اہمیت پر اس پہلو سے روشنی ڈال دیں کہ یہی مدار نجات اور سارے رسولوں کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے، نیز یہی وہ بنیاد ہے جس پر دین کے دوسرے امور قائم ہیں؟

جواب :

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے حق کو واضح کرنے اور انہیں غیر اللہ کو چھوڑ کر خالص اللہ کی عبادت کی طرف بلانے ہی کے لئے دنیا میں رسولوں کو بھیجا اور آسمان سے کتابیں اتاریں، کیونکہ اس روئے زمین پر بسنے والوں میں اکثر لوگوں نے اس بات کو تو جانا کہ اللہ ہی ان کا مالک و خالق اور رازق ہے، مگر جہالت و نادانی اور آباء و اجداد کی تقلید میں اپنی ساری یا بعض عبادتوں کو غیر اللہ کے

لئے انجام دے کروہ شرک کے مرتکب ہوئے' جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد کی قوموں' نیز اس امت کے پہلے لوگوں کے ساتھ پیش آیا' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اللہ کی توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کی دعوت کو ناپسند کیا اور اس کا انکار کرتے ہوئے کہا :

﴿ أَجَعَلَ ٱلْآلِهَةَ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ إِنَّ هَـٰذَا لَشَىْءٌ عُجَابٌ ﴾ (سورۃ ص : ۵)

کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا' یہ تو بڑی انوکھی بات ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوٓا۟ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوٓا۟ ءَالِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍۭ ﴾

(سورۃ الصافات : ۳۶)

ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہو تو اکڑ بیٹھتے تھے' اور کہتے تھے کہ کیا ایک باؤلے شاعر کے کہنے سے ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دیں گے۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَـٰرِهِم مُّقْتَدُونَ ﴾

(سورۃ الزخرف : ۲۳)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم تو انہیں کے قدم بقدم چلنے والے ہیں۔

اس مفہوم کی اور بھی سی آیتیں موجود ہیں۔

لہٰذا علمائے اسلام اور داعیان حق پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو توحید الوہیت کی حقیقت بتائیں' نیز توحید الوہیت کے درمیان اور توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات

کے درمیان فرق واضح کریں، کیونکہ غیر مسلموں سے قطع نظر خود بہت سے مسلمان اس سے ناواقف ہیں۔

چنانچہ کفار قریش، دیگر عرب اور اکثر قوم کے لوگ یہ جانتے تھے کہ اللہ ہی ان کا خالق اور رازق ہے، اسی لئے اللہ نے ان پر اسی بات سے حجت قائم کی ہے، کیونکہ اللہ عز و جل بندوں کی عبادت کا مستحق اسی لئے ہے کہ وہ ان کا خالق، رازق اور پورے طور پر ان پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ﴾ (سورۃ الزخرف : ۸۷)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا، تو یہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور فرمایا :

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ ﴾ (سورۃ العنکبوت : ٦١)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کئے، اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگایا تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان سے پوچھیں انہیں روزی کون دیتا ہے :

﴿ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَمَن يُخْرِجُ ٱلْحَىَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ ٱلْمَيِّتَ مِنَ ٱلْحَىِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ (سورۃ یونس : ۳۱)

(اے پیغمبر) آپ ان سے پوچھیں تو سہی کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے' یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے' اور مردہ سے زندہ' اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے' اور دنیا کے کاموں کو کون چلاتا ہے' تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ' پھر آپ کہیں کہ تب تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیتیں موجود ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے توحید الوہیت کے انکار' نیز بتوں اور اللہ کے سوا پوجی جانے والی ہر چیز کی عبادت کے بطلان پر خود ان کے توحید ربوبیت کے اسی اقرار کے ذریعہ ان پر حجت قائم کی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس کے اسماء اور صفات پر ایمان لائیں' اور مخلوق کی مشابہت سے اسے پاک رکھیں' چنانچہ فرمایا :

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ﴾ (سورۃ الاعراف : ۱۸۰)

اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں' تو اسے انہی ناموں سے پکارو۔

اور فرمایا :

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ۖ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ ٱللَّهُ ٱلْخَٰلِقُ ٱلْبَارِئُ ٱلْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴾

(سورۃ الحشر : ۲۲ تا ۲۴)

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں' وہ چھپی اور کھلی سب باتیں جانے

والا ہے' وہ بہت رحم والا' مہربان ہے' اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں' وہ سارے جہان کا بادشاہ' ہر عیب سے پاک' سلامتی والا' بندوں کو امن دینے والا' ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا' زبردست' بڑے دباؤ والا' اور بڑائی والا ہے' اللہ ان مشرکوں کے شرک سے پاک ہے' وہ اللہ ہر چیز کا بنانے والا' پیدا کرنے والا اور نقشہ کھینچنے والا ہے' اس کے اچھے اچھے نام ہیں' آسمان اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب اس کی پاکی بیان کر رہی ہیں' اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور فرمایا :

﴿ قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ۝١ ٱللَّهُ ٱلصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ﴾ (سورۃ الاخلاص)

(اے پیغمبر) کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے' نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا ہے' اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

اور فرمایا :

﴿ فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۲)

تو جان بوجھ کر کسی کو اللہ کے برابر مت بناؤ۔

اور فرمایا :

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴾ (سورۃ الشوریٰ : ۱۱)

اس کی طرح کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

اس معنی کی اور بھی بہت سی آیتیں وارد ہیں۔

علمائے کرام نے یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ توحید ربوبیت' توحید الوہیت یعنی صرف اللہ کی عبادت کرنے کو مستلزم ہے' نیز یہ اس کا لازمہ اور تقاضا ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اسی بات سے حجت قائم کی ہے' اسی طرح توحید اسماء و صفات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ساری عبادتیں اللہ کے ساتھ خاص کر دی جائیں' کیونکہ وہی اپنی ذات اور اسماء و صفات میں باکمال' اور بندوں کا منعم ہے' لہٰذا وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ لوگ اس کی عبادت کریں' اس کے اوامر بجالائیں' اور نواہی سے اجتناب کریں۔

رہی بات توحید عبادت (توحید الوہیت) کی تو اگر کوئی شخص اسے علم و عمل دونوں لحاظ سے اپنا کر اس پر کاربند ہو جائے تو یہ توحید کی باقی دونوں قسموں کو بھی شامل ہے' جیسا کہ علماء کرام نے اس بات کو عقیدہ اور تفسیر کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' مثلاً تفسیر طبری' تفسیر ابن کثیر' تفسیر بغوی' عبداللہ بن امام احمد کی کتاب السنہ' امام ابن خزیمہ کی کتاب التوحید' اور علامہ عثمان بن سعید دارمی کی وہ کتاب جسے انہوں نے بشر مریسی کے رد میں لکھی ہے' نیز دیگر علماء سلف کی کتابیں۔

اس موضوع پر جن لوگوں نے بہترین کام کیا ہے ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ہیں' اور اسی طرح بارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے دور میں ائمہ دعوت و توحید مثلاً امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ' ان کے آل و احفاد اور تلامذہ نیز ان کے منہج پر چلنے والے دیگر علماء سنت ہیں۔

اس موضوع پر لکھی گئی بہترین کتابوں میں "فتح المجید" اور اس کی اصل "تیسیر العزیز الحمید" ہے' پہلی کتاب شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ کی' اور دوسری شیخ سلیمان بن عبداللہ آل شیخ رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔

نیز اس موضوع پر بہترین مجموعہ کتاب ''الدرر السنیہ'' کے پہلے اجزاء ہیں' ان میں علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم رحمہ اللہ نے آل شیخ کے ائمہ دعوت اور بارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے دیگر علماء کے عقیدہ اور احکام سے متعلق فتاوے جمع کئے ہیں' میری نصیحت ہے کہ ان کتابوں کے اور ان کے علاوہ علماء سنت کی دیگر کتابوں کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے' کیونکہ ان میں بڑے فوائد ہیں۔

انہی مفید کتابوں میں سے ''مجموعۃ الرسائل الاولیٰ'' ہے جو آل شیخ کے ائمہ دعوت اور دیگر علماء کے رسالوں کا مجموعہ ہے' اور شیخ عبدالرحمٰن بن حسن' شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن' شیخ عبداللہ ابا بطین' شیخ سلیمان بن سحمان' اور دیگر ائمہ توحید کی وہ مولفات ہیں جو اہل باطل کی تردید میں لکھی گئی ہیں' یہ کتابیں بڑی مفید ہیں کیونکہ یہ علمی فوائد کے ساتھ اہل باطل کے بہت سارے شکوک و شبہات کے تردید و ازالہ پر مشتمل ہیں' اللہ ان علماء و ائمہ کو اپنی وسیع رحمت سے نوازے' انہیں جنت میں جگہ دے' اور ہمیں ان کی سچی اتباع کرنے کی توفیق دے۔

اسی طرح ''مجلّہ البحوث الاسلامیہ'' جو ریاست عامہ برائے علمی تحقیقات وافتاء و دعوت و ارشاد سے صادر ہوتا ہے' اس کے شمارے بھی قابل مطالعہ ہیں' جو عقیدہ و احکام سے متعلق گرانقدر علمی تحقیقات اور بے شمار فوائد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ایسے ہی میرے فتاوے اور مقالات کے ابتدائی اجزاء جو عقیدہ سے متعلق ہیں یہ بھی بہت مفید ہیں' الحمد للہ یہ سب کتابیں مطبوع اور طلبۂ علم کے درمیان متداول ہیں' اللہ ان کی افادیت کو عام کرے۔

سوال ۵ :

بعض لوگ علماء اور صالحین اور ان کے آثار سے تبرک چاہنے کو جائز سمجھتے

ہیں' اور ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرک حاصل کیا ہے' تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا غیر نبی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ دینا نہیں ہے؟ اور کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے بعد تبرک حاصل کیا جا سکتا ہے؟ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا وسیلہ لینا کیسا ہے؟

جواب :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی ذات سے' یا اس کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے' یا اس کے بال سے' یا اس کے پسینے سے' یا اس کے بدن کے کسی بھی حصہ سے تبرک چاہنا جائز نہیں' یہ ساری چیزیں آپ کے لئے خاص تھیں' کیونکہ اللہ نے آپ کے جسم میں اور جس چیز پر آپ کا دست مبارک لگ جاتا تھا اس میں خیر و برکت دے رکھی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد کبھی کسی صحابی سے تبرک نہیں چاہا' اور نہ ہی خلفائے راشدین وغیرہم کے ساتھ کبھی ایسا ہوا' جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں پتہ تھا کہ یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے' کسی اور کے لئے جائز نہیں' اور اس لئے بھی جائز نہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت اور شرک کا ذریعہ ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ' یا آپ کی ذات' یا صفت' یا برکت کے وسیلہ سے دعا کرنا بھی جائز نہیں' کیونکہ اس چیز کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں' نیز یہ آپ کے حق میں غلو اور شرک کا ذریعہ ہے' اور اس لئے بھی کہ صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا' اگر اس میں کوئی بھلائی ہوتی تو ہم سے

پہلے انہوں نے اسے کیا ہوتا' اور یہ اس لئے بھی جائز نہیں کہ یہ شرعی دلیلوں کے خلاف ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ﴾ (سورۃ الاعراف : ۱۸۰)

اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں' تو اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

اللہ نے کسی کے جاہ' یا حق' یا برکت کے وسیلہ سے دعا کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

اسی طرح اللہ کی صفات مثلاً اس کی عزت' رحمت' اور کلام وغیرہ سے وسیلہ لینے کا حکم بھی وہی ہے جو اس کے اسماء کا ہے' جیسا کہ متعدد صحیح حدیثوں میں اللہ کے کلمات تامہ کے ذریعہ اور اللہ کی عزت و قدرت کے ذریعہ پناہ مانگنے کا ذکر موجود ہے۔

اور یہی حکم اللہ کی محبت' اس کے رسول کی محبت' اللہ اور اس کے رسول پر ایمان' اور نیک اعمال سے وسیلہ لینے کا بھی ہے' جیسا کہ غار والوں کے قصہ میں موجود ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے تین آدمیوں نے رات گذارنے کے لئے ایک غار میں پناہ لی' جب وہ غار میں داخل ہوگئے تو پہاڑ سے ایک چٹان کھسک کر آئی' جس سے غار کا منھ بند ہوگیا اور وہ اسے ہٹا نہ سکے' چنانچہ انہوں نے باہم یہ طے کیا کہ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرے' چنانچہ ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا وسیلہ لیا' تو چٹان کچھ ہٹ گئی لیکن ابھی اس سے نکلنا ناممکن تھا' پھر دوسرے نے زنا پر قادر ہونے کے باوجود اپنی پاکدامنی کا وسیلہ لیا' تو چٹان کچھ اور ہٹ گئی مگر ابھی وہ نکل نہیں سکتے تھے' پھر تیسرے نے اپنی امانت کی ادائیگی کا وسیلہ لیا تو چٹان مکمل ہٹ گئی اور وہ غار سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔

یہ حدیث صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے' آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہماری عبرت اور نصیحت کی خاطر اگلے لوگوں کے واقعات کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس جواب میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے متعدد علماء مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم' نیز شیخ عبدالرحمٰن بن حسن وغیرہم رحمہم اللہ۔ نے اپنی اپنی کتابوں میں اسی بات کی صراحت کی ہے۔

رہی وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک نابینا شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کا وسیلہ لیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے اس کے لئے سفارش اور دعا کی اور اللہ نے اس کی بینائی واپس کر دی' تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ اور حق کا وسیلہ نہیں' بلکہ آپ کی دعا اور سفارش کا وسیلہ ہے' جیسا کہ حدیث سے واضح ہے' اور اسی طرح قیامت کے دن لوگ حساب و کتاب شروع ہونے کے لئے' اور جنتی اپنے جنت میں داخل ہونے کے لئے آپ کی شفاعت کا وسیلہ اختیار کریں گے' یہ سب آپ کی زندگی میں آپ کا وسیلہ اختیار کرنے کی صورتیں ہیں' خواہ دنیا کی زندگی ہو یا آخرت کی' نیز یہ آپ کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ ہے' نہ کہ آپ کی ذات اور حق کا وسیلہ' جیسا کہ اہل علم نے اس بات کی صراحت کی ہے' جن میں سے بعض کا نام ابھی مذکور ہوا ہے۔

سوال ٦ :

بہت سے عوام عقیدۂ توحید سے متعلق بڑی بڑی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں' تو ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟ اور کیا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور تصور کئے جائیں گے؟ نیز ان سے شادی بیاہ کرنے اور ان کا ذبیحہ کھانے کا کیا حکم ہے؟

اور کیا مکہ مکرمہ میں ان کا داخل ہونا درست ہے؟

جواب :

جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ مردوں کو پکارتا' ان سے فریاد کرتا' ان کے لئے نذر مانتا' اور اس طرح کی دیگر عبادتیں ان کے لئے کرتا ہے تو وہ مشرک اور کافر ہے' نہ تو اس سے شادی بیاہ کرنا درست ہے' اور نہ اس کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز ہے' اور نہ ہی اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا کوئی سلوک کیا جائے گا' بھلے وہ ان باتوں سے اپنی لاعلمی کا دعویٰ کرے' یہاں تک کہ وہ اللہ سے توبہ کرلے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَـٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں' اور شرک کرنے والی عورت گو تم کو بھلی لگے اس سے مسلمان باندی بہتر ہے' اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مسلمان عورتوں سے ان کا نکاح نہ کرو' اور مشرک مرد گو تم کو بھلا لگے اس سے مسلمان غلام بہتر ہے۔

اور فرمایا :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ مُهَـٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ

بِإِيمَـٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَـٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾

(سورۃ الممتحنہ : ۱۰)

مومنو ! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا امتحان لے لیا کرو' اللہ ان کے ایمان کے متعلق خوب جانتا ہے' پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ' نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں' اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں' اور کافروں نے ان عورتوں پر جو خرچ کیا ہے وہ ان کو دے دو' اور اگر تم ایسی عورتوں کے مہر ادا کردو تو ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اور کافر عورتوں کے نکاح کو برقرار مت رکھو' اور تم نے جو ان پر خرچ کیا ہے وہ کافروں سے مانگ لو' اور انہوں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے مانگ لیں' یہی اللہ کا حکم ہے جس کے ذریعہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے' اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔

اور فرمایا :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا ۚ ﴾

(سورۃ التوبہ : ۲۸)

اے مومنو ! مشرک تو نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں۔

جو لوگ مذکورہ بالا امور سے اپنی جہالت و لاعلمی کا دعویٰ کریں تو ان کی جہالت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا' بلکہ واجب ہے کہ ان کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کیا جائے یہاں تک کہ وہ اللہ سے توبہ کرلیں' کیونکہ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَإِذَا فَعَلُواْ فَٰحِشَةً قَالُواْ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلضَّلَٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُواْ ٱلشَّيَٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴾

(سورۃ الاعراف : ۲۸ تا ۳۰)

اور جب یہ لوگ کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا' اور اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو اے پیغمبر ! کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا' کیا تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں' اے پیغمبر ! کہہ دیجئے میرے مالک نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ جہاں نماز پڑھو اپنے منہ سیدھے کرلو اور اسی کے تابعدار ہو کر اس کو پکارو' جس طرح اس نے تم کو پہلے پیدا کیا ویسے ہی پھر دوبارہ تم پیدا ہوگے' اسی نے ایک گروہ کو راہ پر لگایا' اور ایک گروہ کی تقدیر میں گمراہی مقدر ہوگئی' بیشک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا' اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ راہ پر ہیں۔

نیز نصاریٰ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں فرمایا :

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِٱلْأَخْسَرِينَ أَعْمَٰلًا ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴾
(سورۃ الکھف : ۱۰۳، ۱۰۴)

اے پیغمبر ! کہہ دیجئے کیا میں تمہیں ان لوگوں کو بتلاؤں جو عمل کے اعتبار سے بہت گھاٹے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں اکارت ہو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت ساری آیتیں وارد ہیں۔

سوال ۷ :

بہت سے اسلامی معاشرے میں دین کے ظاہری شعار مثلاً داڑھی بڑھانے اور لباس کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے وغیرہ کا مذاق اڑایا جاتا ہے، کیا دین کے ساتھ اس طرح کا مذاق کرنے سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے؟ اور جو اس برائی میں مبتلا ہے اسے آپ کی کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

اللہ، اس کے رسول، اس کی آیتوں، اس کی شریعت اور اس کے احکام کا مذاق اڑانا یقیناً کفر کے اقسام میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾
(سورۃ التوبہ : ۶۵، ۶۶)

اے پیغمبر ! کہہ دیجئے کیا تم اللہ، اور اس کی آیتوں، اور اس کے رسول کا

مذاق اڑاتے ہو' بہانے مت کرو' تم ایمان لاکر پھر کافر ہوگئے۔

اسی حکم میں توحید' یا نماز' یا زکوۃ' یا روزہ' یا حج' یا دین کے دیگر متفقہ احکام کا مذاق اڑانا بھی داخل ہے۔

رہا اس شخص کا مذاق اڑانا جو داڑھی لمبی رکھتا ہے' یا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے پرہیز کرتا ہے' یا اس طرح کے دیگر امور جن کا حکم بعض لوگوں پر بسااوقات واضح نہیں ہو پاتا' تو اس میں تفصیل ہے' مگر ضروری ہے کہ اس سے بچا جائے' اور جس کے بارے میں اس قسم کی کوئی بات معلوم ہو جائے اسے نصیحت کی جائے' یہاں تک کہ وہ اللہ سے توبہ کرکے شریعت کا پابند ہو جائے' نیز اللہ اور رسول کی اطاعت میں' اور اللہ کے غیظ و غضب اور غیر شعوری ارتداد سے بچتے ہوئے شریعت کی پابندی کرنے والوں کا مذاق اڑانے سے باز آجائے' دعا ہے کہ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ہر بلا سے محفوظ رکھے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۸ :

عقیدہ کے موضوع پر آپ کن کتابوں کے مطالعہ کی نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

عقیدہ' احکام اور اخلاق وغیرہ سیکھنے کے لئے سب سے عمدہ' سب سے عظیم اور سب سے سچی کتاب جس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے وہ اللہ کی کتاب (قرآن) ہے' جس میں باطل کا کوئی دخل نہیں' نہ آگے سے نہ پیچھے سے' جو حکمت والے' تعریف کے لائق مالک کی طرف سے اتاری گئی ہے' جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ (سورۃ الاسراء : ۹)

بیشک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو بہت ہی ٹھیک ہے' اور مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

اور فرمایا :

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ﴾ (سورۃ فصلت : ۴۴)

اے پیغمبر ! کہہ دیجئے یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔

اور فرمایا :

﴿كِتَـٰبٌ أَنزَلْنَـٰهُ إِلَيْكَ مُبَـٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَـٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ﴾

(سورۃ ص : ۲۹)

یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اتارا' جو بڑی برکت والی ہے' تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں' اور عقل والے اس سے نصیحت لیں۔

اور فرمایا :

﴿وَهَـٰذَا كِتَـٰبٌ أَنزَلْنَـٰهُ مُبَارَكٌ فَٱتَّبِعُوهُ وَٱتَّقُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(سورۃ الانعام : ۱۵۵)

اور یہ ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا' جو برکت والی ہے' پس اس کی پیروی کرو اور اللہ سے ڈرو' تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور فرمایا :

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾

(سورۃ النحل : ۸۹)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر چیز کا اچھا بیان ہے' اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت' رحمت اور خوشخبری ہے۔

اس معنی کی اور بھی بہت ساری آیتیں موجود ہیں۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کے متعلق حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں فرمایا :

"بیشک میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگئے' یعنی اللہ کی کتاب" (صحیح مسلم بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما)

اور غدیر خم کے دن حجۃ الوداع سے مدینہ لوٹتے وقت آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا :

"بیشک میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' ان میں پہلی چیز تو اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے' پس تم اللہ کی کتاب کو اپنا لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو"

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب پر ابھارا اور اس کی ترغیب دلائی اور اس کے بعد فرمایا :

"اور اہل بیت' اہل بیت کے بارے میں میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں' اہل بیت کے بارے میں میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں" (صحیح مسلم بروایت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے" (صحیح بخاری)

اور فرمایا :

"جو شخص علم کی طلب میں کوئی راستہ چلے گا، تو اللہ اسے قیامت کے دن جنت کے راستہ پر چلائے گا، اور جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں اکٹھا ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اور اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس فرشتوں میں کرتا ہے، اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے اسے اس کا نسب اور خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا" (صحیح مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

اس باب میں اور بھی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

قرآن کریم کے بعد مطالعہ کے لئے بہترین کتابیں حدیث کی کتابیں ہیں، جیسے صحیحین، سنن اربعہ اور حدیث کی دیگر معتمد کتابیں، لہذا علم کی مجلسوں اور حلقوں کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم و تدریس، نیز حدیث شریف کے درس و تدریس سے آباد رکھنا چاہیئے، اور یہ کام ایسے علماء کو کرنا چاہیئے جن کے علم و درایت اور نصیحت و استقامت پر لوگوں کو اعتماد ہو، اور مناسب و مفید کتابوں میں سے ریاض الصالحین، ترغیب و ترہیب، الوابل الصیب، عمدۃ الحدیث الشریف، بلوغ المرام، اور منتقی الاخبار وغیرہ بھی ہیں، ان کتابوں کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

رہا عقیدہ تو اس موضوع پر لکھی گئی بہترین کتابوں میں "کتاب التوحید" ہے جو امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تالیف ہے، اور اس کی دو شرحیں "تیسیر العزیز الحمید" اور "فتح المجید" ہیں جو شیخ کے دو پوتے شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد، اور شیخ عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد رحمہما اللہ کی تالیف ہیں۔

انہی عمدہ کتابوں میں سے امام محمد بن عبدالوہاب کی تالیف مجموعۃ التوحید' اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تالیفات : کتاب الایمان' القاعدۃ الجلیلہ فی التوسل والوسیلہ' العقیدۃ الواسطیہ' التدمریہ' اور الحمویہ بھی ہیں' اسی طرح مفید کتابوں میں زادالمعاد فی ھدی خیر العباد' الصواعق المرسلہ علی الجھمیۃ والمعطلہ' اجتماع الجیوش الاسلامیہ' القصیدہ النونیہ' اغاثۃ اللھفان من مصائدالشیطان بھی ہیں' یہ سب علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تالیف ہیں۔

انہی میں سے ابن ابی العز کی " شرح العقیدہ الطحاویہ"' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی " منہاج السنہ النبویہ" اور " اقتضاء الصراط المستقیم"' ابن خزیمہ کی "کتاب التوحید"' عبداللہ بن امام احمد کی "کتاب السنہ"' شاطبی کی "کتاب الاعتصام" اور ان کے علاوہ اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے بیان میں دیگر علماء سلف کی لکھی ہوئی کتابیں بھی ہیں۔

نیز اس سلسلہ میں جامع ترین کتاب "مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" اور "الدررالسنیہ فی الفتاویٰ النجدیہ" ہیں' جنھیں علامہ شیخ عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔

سوال ۹ :

بعض مسلم معاشرے میں لوگ مذاق کے طور پر ایسے الفاظ بول جاتے ہیں جن میں کفر یا فسق پایا جاتا ہے' اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ اس مسئلہ پر روشنی ڈالدیں' نیز یہ بیان کر دیں کہ اہل علم اور دعاۃ کا اس سلسلہ میں کیا رویہ ہونا چاہیئے؟

جواب :

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذاق میں جھوٹ اور کفریہ کلمات کا استعمال بہت بڑا گناہ ہے' اور جب یہ لوگوں کے درمیان ان کی مجلسوں میں ہو تو اور ہی خطرناک ہو جاتا ہے' لہٰذا ایسے مذاق سے دور رہنا انتہائی ضروری ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ اس بات سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾

(سورۃ التوبہ : ۶۵'۶۶)

اے پیغمبر ! اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ یہی کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی گپ شپ اور دل لگی کر رہے تھے' تو کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی ٹھٹھا کرتے ہو' بہانے مت بناؤ' تم ایمان لاکر پھر کافر ہو گئے۔

بہت سے سلف کا کہنا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں آپس میں اس قسم کی بات کہی کہ ہم نے اپنے ان قاریوں جیسا پیٹو' جھوٹا' اور مڈبھیڑ کے وقت بزدل کسی کو نہیں دیکھا' تو اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"بربادی ہو اس شخص کے لئے جو کوئی چیز بیان کرے پھر جھوٹ بولے تاکہ وہ اس سے دوسروں کو ہنسائے' بربادی ہو اس کے لئے' پھر بربادی ہو اس کے

لئے" (ابو داؤد' ترمذی' نسائی بسند صحیح)

پس اہل علم اور تمام مومن مرد اور عورتوں پر واجب ہے کہ وہ خود اس سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تاکید کریں' کیونکہ یہ فعل انتہائی خطرناک' بڑا ہی نقصان دہ اور انجام کے لحاظ سے بے حد برا ہے۔

اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس برائی سے عافیت میں رکھے' اور ہم سب کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق دے' بیشک وہ سننے والا' قبول کرنے والا ہے۔

سوال ۱۰ :

بسااوقات انسان کے دل میں خصوصاً توحید اور ایمان سے متعلق برے خیالات اور وسوسے کھٹکتے ہیں' تو کیا اس پر اس کی گرفت ہوگی؟

جواب :

صحیحین اور ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

"بے شک اللہ نے میری امت سے ان باتوں کو درگذر کردیا ہے جو انہوں نے اپنے دل میں سوچا' لیکن نہ اسے کیا اور نہ زبان سے کہا"

اور یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دل میں پیدا ہونے والے ان وسوسوں کے متعلق آپ سے دریافت کیا جن کا ذکر مذکورہ سوال میں اشارۃ ہوا ہے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "یہی تو صریح ایمان ہے"

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"لوگ باہم سوال کرتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ یہ سوال بھی آجاتا ہے کہ ان ساری مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پس جب کوئی شخص اس قسم کی چیز محسوس کرے تو کہے : میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا"

ایک دوسری روایت میں ہے :

"تو وہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس چیز سے باز آجائے" (صحیح مسلم)

سوال ۱۱ :

بعض طالب علم اپنے اجتہاد سے ایسی چیز کی مخالفت کر بیٹھتے ہیں جو دین میں بدیہی طور پر معلوم ہے' تو کیا جو چیز دین میں بدیہی طور پر معلوم ہو اس میں اجتہاد ممکن ہے؟ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس مسئلہ میں خصوصیت کے ساتھ ہماری رہنمائی فرمائیں؟

جواب :

ہر وہ چیز جو دین میں کتاب و سنت کی واضح دلیلوں سے یا اجماع سلف سے معلوم ہو اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں' بلکہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا' نیز اس کے مخالف ہر چیز کو چھوڑ دینا واجب ہے' اور یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں' اجتہاد در حقیقت ان اختلافی مسائل میں ہوتا ہے جن کے دلائل کتاب و سنت سے واضح نہ ہوں' پس جس کا اجتہاد صحیح ہو گیا اسے دہرا اجر ملے گا' اور جس سے چوک ہو گئی اس کے لئے ایک اجر ہے' مگر اجتہاد ان علماء کے لئے درست ہے جن کے اندر صدق و اخلاص کے

ساتھ حق کی جستجو اور جد و جہد کرنے کی صلاحیت ہو' جیسا کہ صحیحین میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جب کسی حاکم نے اجتہاد کر کے کوئی فیصلہ کیا اور وہ صحیح ہو گیا تو اسے دہرا اجر ملے گا' اور اگر غلط ہو گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے"

سوال ۱۴ :

جو شخص اللہ کو یا اس کے رسول کو برا بھلا کہے' یا ان کی توہین و تنقیص کرے' اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو شخص اللہ کی واجب کی ہوئی کسی چیز کا انکار کرے' یا اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال سمجھے' اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیل کے ساتھ جواب سے نوازیں' کیونکہ یہ برائیاں لوگوں میں کثرت سے پائی جا رہی ہیں؟

جواب :

جو شخص اللہ کو' یا اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو' یا آپ کے علاوہ دیگر رسولوں کو' یا دین اسلام کو کسی بھی طرح سے سب و شتم کرے اور برا بھلا کہے' یا اللہ اور اس کے رسول کی توہین اور استہزا کرے' تو وہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق کافر اور مرتد ہے' بھلے ہی وہ اسلام کا دعویٰ کرے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

(سورۃ التوبہ : ۶۵'۶۶)

اے پیغمبر ! کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے ہو' بہانے مت بناؤ' تم ایمان لاکر پھر کافر ہو گئے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی تمام دلیلوں کو اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے' جسے مزید دلیلوں کے جاننے کا شوق ہو وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے' جو بڑی مفید نیز وسیع العلم اور جلیل القدر امام کی تالیف ہے۔

یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو اللہ کی واجب کردہ کسی چیز کا انکار کرے جس کی فرضیت بدیہی طور پر معلوم ہو' جیسے نماز' یا زکوٰۃ' یا رمضان کے روزے' یا صاحب استطاعت کے حق میں حج' یا والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فرضیت کا انکار' یا اللہ کی حرام کردہ کسی ایسی چیز کو حلال ٹھہرائے جس کی حرمت بدیہی طور پر اور اجماع سلف سے معلوم ہو' جیسے شراب نوشی' یا والدین کی نافرمانی' یا ناحق لوگوں کے خون اور مال پر دست درازی' یا سود خوری وغیرہ کو حلال جاننا' تو ایسا کرنے والا کافر اور دین سے خارج ہے' بھلے ہی وہ اسلام کا دعویٰ کرے' علمائے کرام نے حکم مرتد کے باب میں ان مسائل پر اور ان کے علاوہ دیگر نواقض اسلام پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے دلائل کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے' جسے مزید معلومات مطلوب ومقصود ہو وہ حنبلی' شافعی' مالکی' حنفی' اور دیگر مذہب کے علماء کی کتابوں میں اس باب کی طرف رجوع کرے' ان شاء اللہ اسے ان کتابوں میں کافی و شافی بحث ملے گی۔

واضح رہے کہ اس معاملہ میں کوئی اپنی جہالت و لاعلمی کا دعویٰ کر دینے سے معذور نہیں سمجھا جائے گا' کیونکہ یہ سارے مسائل مسلمانوں کے درمیان معروف ہیں' اور ان کا حکم قرآن و حدیث میں بالکل ظاہر ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۴ :

موجودہ دور میں جادو کا استعمال اور جادوگروں کے پاس آنا جانا کثرت سے ہو رہا ہے' اس کا کیا حکم ہے؟ اور سحرزدہ شخص کے علاج کا جائز طریقہ کیا ہے؟

جواب :

جادو' ہلاک کر دینے والے کبیرہ گناہوں میں سے ہے' بلکہ یہ نواقض اسلام میں سے ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے :

﴿ وَٱتَّبَعُواْ مَا تَتْلُواْ ٱلشَّيَٰطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَٰنَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَٰنُ وَلَٰكِنَّ ٱلشَّيَٰطِينَ كَفَرُواْ يُعَلِّمُونَ ٱلنَّاسَ ٱلسِّحْرَ وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَٰرُوتَ وَمَٰرُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِۦ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَزَوْجِهِۦ ۚ وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِۦ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُواْ لَمَنِ ٱشْتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنْ خَلَٰقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْاْ بِهِۦٓ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ وَٱتَّقَوْاْ لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۱۰۲)

اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جسے سلیمان کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے' حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا' البتہ یہ شیاطین کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ باتیں جو شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتاری گئی تھیں' اور وہ دونوں کسی کو جادو نہیں سکھلاتے تھے جب تک یہ

نہیں کہہ دیتے کہ ہم آزمائش ہیں' تو تم کفر مت کرو' پھر بھی لوگ ان دونوں سے ایسی باتیں سیکھتے تھے جس کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی کرادیں' حالانکہ اللہ کے حکم کے بغیر وہ جادو سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور ایسی باتیں سیکھتے تھے جن میں فائدہ کچھ نہیں' نقصان ہی نقصان ہے' حالانکہ انہیں اس کا علم تھا کہ جو کوئی جادو خریدے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اور بہت ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا' کاش کہ یہ لوگ جانتے' اور اگر وہ ایمان لے آتے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے جو ثواب ملتا وہ ان کے حق میں بہتر تھا' اگر وہ یہ جانتے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ شیطان لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے' اور لوگ اسے سیکھ کر کافر ہو جاتے تھے' اور یہ بتایا ہے کہ دونوں فرشتے (ہاروت و ماروت) جسے بھی جادو سکھلاتے تھے اسے پہلے یہ بتلا دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں' اور ہم جو سکھلاتے ہیں وہ کفر ہے۔

اور اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جادو سیکھنے والے ایسی چیز سیکھتے ہیں جن میں ان کا فائدہ نہیں' نقصان ہی نقصان ہے' اور ان کے لئے اللہ کے یہاں آخرت میں خیر کا کوئی حصہ نہیں۔

اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جادوگر اپنے جادو سے میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور وہ اللہ کے ''اذن'' کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

یہاں ''اذن'' سے مراد اذن شرعی نہیں بلکہ اذن کونی و قدری ہے' کیونکہ کائنات میں جتنی چیزیں واقع ہوتی ہیں وہ سب اللہ کے قدری اذن سے ہوتی ہے' اور اس کی

بادشاہت میں کوئی ایسی چیز ہرگز واقع نہیں ہو سکتی جسے وہ کون و قدر کے لحاظ سے نہ چاہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جادو ایمان اور تقویٰ کی ضد ہے۔

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ جادو کفر اور ضلالت ہے' اور جادو کرنے والا اگر اسلام کا مدعی ہے تو وہ اسلام سے خارج ہے' چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"سات مہلک گناہوں سے بچو' لوگوں نے کہا وہ کیا ہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ نے فرمایا : اللہ کے ساتھ شرک' جادو' اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کا ناحق قتل' سود خوری' یتیم کا مال کھانا' لشکر کشی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا' اور پاکدامن' بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا"

اس صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ شرک اور جادو سات مہلک گناہوں میں سے ہیں' اور شرک ان میں بڑا ہے' کیونکہ یہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا ہے' اور جادو بھی انہی میں سے ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک کے ساتھ ذکر کیا ہے' کیونکہ جادوگروں کی جادو تک جو رسائی ہوتی ہے وہ شیطانوں کی عبادت' نیز دعا' ذبح' نذر اور استعانت وغیرہ جیسی عبادتوں کے ذریعہ ان کا تقرب حاصل کرنے سے ہی ہوتی ہے' چنانچہ امام نسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جس نے کوئی گرہ لگائی پھر اس میں پھونکا اس نے جادو کیا' اور جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا' اور جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے حوالے کر دیا گیا"

یہ حدیث سورہ فلق میں اللہ کے قول "ومن شر النفاثات فی العقد" کی تفسیر

ہے' مفسرین کا کہنا ہے کہ ''نفاثات'' سے مراد وہ جادوگرنیاں ہیں جو لوگوں کو اپنے ظلم و اذیت کا نشانہ بنانے کی غرض سے شیطانوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے گرہیں لگاتی اور ان میں شرکیہ کلمات پڑھ کر پھونکتی ہیں۔

جادوگر کے حکم کے بارے میں اہل علم کا یہ اختلاف ہے کہ اس سے توبہ کروا کے اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی' یا جب اس کے سلسلہ میں جادو کا ثبوت مل جائے تو بغیر توبہ کروائے ہر حال میں اسے قتل کر دیا جائے گا؟ اور یہی دوسرا قول ہی درست ہے' کیونکہ جادوگر کا وجود اسلامی معاشرہ کے لئے ضرر رساں ہے جبکہ وہ عموماً سچی توبہ نہیں کرتے' نیز اس کے باقی رہنے میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔

یہ قول اختیار کرنے والوں کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جو خلفائے راشدین میں دوسرے خلیفہ ہیں' جن کی سنت کی اتباع کرنے کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے انہوں نے بغیر توبہ کروائے جادوگروں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

نیز وہ روایت بھی ہے جسے امام ترمذی نے جندب بن عبداللہ البجلی یا جندب الخیر ازدی سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے :

''جادوگر کی سزا تلوار سے اس کی گردن مار دینا ہے''

مگر محدثین کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ یہ جندب پر موقوف ہے۔

ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ایک لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا جس نے ان پر جادو کر دیا تھا۔ چنانچہ توبہ کروائے بغیر ہی وہ قتل کر دی گئی۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توبہ کروائے بغیر جادوگر کو قتل کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابہ یعنی عمر' جندب اور حفصہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

مذکورہ بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جادوگر کے پاس جانا' ان سے کوئی چیز پوچھنا اور ان کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق کرنا جائز نہیں' جس طرح کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانا جائز نہیں' نیز جب کسی کے بارے میں جادو کا استعمال اس کے اقرار سے یا شرعی دلائل سے ثابت ہو جائے تو توبہ کروائے بغیر اس کا قتل کر دینا واجب ہے۔

رہا جادو کا علاج' تو یہ مشروع طور پر جھاڑ پھونک اور جائز و نفع بخش دواؤں سے کیا جائے گا' اور اس کا ایک بہترین علاج یہ ہے کہ سحر زدہ شخص پر سورۂ فاتحہ' آیت الکرسی' سورۂ اعراف' یونس اور طٰہٰ وغیرہ میں سحر سے متعلق وارد آیتوں' نیز قل یاایھاالکافرون' قل ھو اللہ احد' قل اعوذ برب الفلق' اور قل اعوذ برب الناس وغیرہ پڑھ کر دم کیا جائے' مستحب یہ ہے کہ آخر الذکر تین سورتیں درج ذیل صحیح و مشہور دعا کے ساتھ تین تین بار پڑھی جائیں' جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریضوں کے علاج کے لئے اپنی دعامیں پڑھا کرتے تھے' اور وہ دعا یہ ہے :

"اَللّٰهُمَّ ربَّ النَّاسِ' اَذْهِبِ الْبَاسَ' وَاشْفِ' اَنْتَ الشَّافِي' لاشِفَاءَ إلاَّ شفاؤكَ' شفاءً لا يُغادرُ سُقْمًا"

اے اللہ ! لوگوں کے مالک' تو بیماری دور کر دے اور شفا دیدے' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیرے شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں' ایسی شفا جو کوئی بیماری نہ چھوڑے۔

نیز وہ دعا پڑھے جس کے ذریعہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دم کیا تھا' اور وہ دعا یہ ہے :

"بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيكَ' مِن كُلِّ شَيْئٍ يُوْذِيك ' وَ مِن شَرِّ كل نفسٍ اَوْعَين حَاسدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ' بِسْمِ اللّٰهِ أرْقِيكَ"

اللہ کے نام کے ساتھ میں تم پر دم کرتا ہوں' اللہ تمہیں ہر تکلیف دہ چیز سے' اور ہر مخلوق کے شر سے یا حاسد کی بری نظر سے شفا دے' اللہ کے نام کے ساتھ میں تم پر دم کرتا ہوں۔

یہ دعا اللہ کے حکم سے مفید ترین علاج ہے۔

ایک علاج یہ بھی ہے کہ جس چیز کے بارے میں گمان ہو کہ اسی میں جادو کیا گیا ہے جیسے اون' گرہ لگے ہوئے دھاگے' اور اس کے علاوہ ہر وہ چیز جس میں جادو کیا جا سکتا ہے اسے ختم کر دیا جائے' اور سحر زدہ شخص شرعی دعاؤں کا بھی اہتمام کرے' مثلاً صبح اور شام تین تین مرتبہ اللہ کے کامل کلمات کے ذریعہ ہر مخلوق کے شر سے پناہ مانگے' فجر اور مغرب کی نمازوں کے بعد تین تین بار قل ھو اللہ احد' قل اعوذ برب الفلق' اور قل اعوذ برب الناس پڑھے' اور ہر فرض نماز کے بعد اور سونے کے وقت آیت الکرسی پڑھے۔

اسی طرح صبح اور شام تین تین بار یہ دعا بھی پڑھنا مستحب ہے :

"بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْئٌ فِي الأَرْضِ وَلا فِي السَّمَاءِ' وَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"

اللہ کے نام کے ساتھ (میں نے صبح اور شام کی) جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں' اور وہ سننے والا' جاننے والا ہے۔

یہ ساری دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں' ساتھ ہی وہ اللہ سے حسن ظن رکھے اور اس بات پر ایمان رکھے کہ یہ دعائیں اور دوائیں محض اسباب ہیں' شفا دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے' اللہ چاہے گا تو ان سے فائدہ پہنچائے گا' اور چاہے گا تو انہیں

بے اثر کردے گا' کیونکہ ہر چیز میں اس کی زبردست حکمت ہے' وہ ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا جاننے والا ہے' وہ اگر کچھ دے تو کوئی روکنے والا نہیں' اور جو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں' اور جو فیصلہ کردے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں' اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے' اور توفیق دینا اسی کا کام ہے۔

سوال ۱۴ :

اس دور میں نفاق اور منافقین کا کافی زور و شور ہے' نیز اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں ان کے متعدد وسائل ہیں' اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے منافقین کے اوصاف' نفاق کے اقسام' اور اس کے خطرات پر روشنی ڈالدیں؟

جواب :

نفاق کے خطرات زبردست' اور منافقین کی شرارتیں بے شمار ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں سورۂ بقرہ وغیرہ میں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان کے اوصاف وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں' چنانچہ ان کے اوصاف کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَبِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝٨ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝٩ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ ٱللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۸ تا ۱۰)

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو (منھ سے تو) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے' حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں' یہ اللہ اور مومنوں سے دغابازی کرتے ہیں' حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دغا دے رہے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے' ان کے دلوں میں بیماری ہے' پھر اللہ نے ان کو اور زیادہ بیمار کر دیا' اور ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ يُخَـٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَـٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓا۟ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُوا۟ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَـٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَـٰٓؤُلَآءِ ﴾

(سورۃ النساء : ۱۴۲'۱۴۳)

بیشک منافقین اللہ کے ساتھ دغابازی کرتے ہیں' حالانکہ وہی ان کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہے' اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو الکساتے ہوئے' لوگوں کو دکھاتے ہیں' اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں' یہ بیچ میں ڈانواڈول ہیں' نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔

اسی طرح سورہ توبہ وغیرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض دیگر اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ منافقین زبان سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں' مگر اخلاق و کردار سے اس کی مخالفت کرتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں' جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیتوں میں اور دیگر آیات میں بیان کیا ہے۔

نفاق کی دو قسمیں ہیں : اعتقادی اور عملی' منافقین کے جن اوصاف کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں کیا ہے وہ نفاق اعتقادی ہے' اور ایسے منافقین کا کفر یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں کے کفر سے زیاد سنگین ہے' کیونکہ یہ انتہائی خطرناک ہیں' اور ان کا معاملہ اکثر لوگوں پر مخفی ہوتا ہے' اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے۔

رہا نفاق عملی' تو اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ پر' اس کے رسول پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوئے منافقوں کے بعض ظاہری اوصاف اپنا لئے جائیں' جیسے جھوٹ' خیانت اور نماز باجماعت سے کاہلی وغیرہ۔
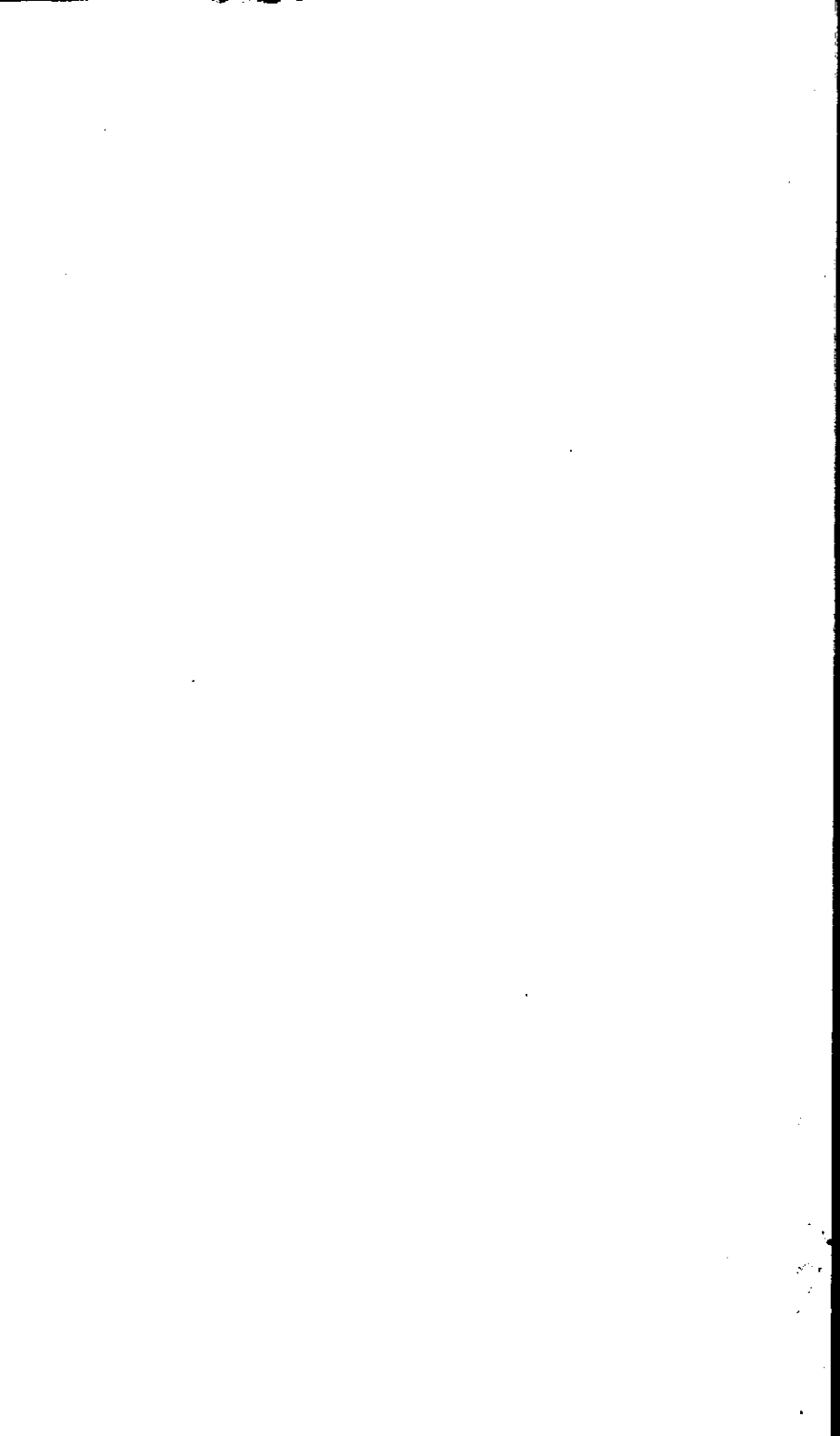
منافقین کے بعض اوصاف سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"منافق کی تین علامتیں ہیں : جب بات کرے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو خلاف کرے اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے"

اور فرمایا :

"منافقوں پر سب سے گراں عشاء اور فجر کی نمازیں ہیں' اور اگر انہیں ان کے ثواب کا پتہ چل جائے تو یہ ان نمازوں میں ضرور حاضر ہوں گے' چاہے سرین کے بل گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے"

اس باب میں اور بھی بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں۔

لہٰذا ہر مومن مرد و عورت پر واجب ہے کہ وہ ان کے صفات سے مکمل پرہیز کریں' اس سلسلہ میں منافقوں کے اوصاف سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ میں غور و تدبر کرنے سے کافی مدد ملے گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین سمجھنے' اس پر ثابت قدم رہنے' شریعت کے خلاف ہر چیز سے دور رہنے' اور اخلاق و افعال میں دشمنوں کی مشابہت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' بیشک وہی توفیق دینے والا ہے۔

نماز

سوال ۱ :

بعض مقامات پر لمبی مدت تک کبھی لگاتار دن اور کبھی لگاتار رات ہی رہتی ہے' اور کہیں رات اور دن اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کے اوقات کے لئے کافی ہی نہیں ہوتے' ایسے ملکوں کے باشندے نماز کس طرح ادا کریں؟

جواب :

وہ مقامات جہاں رات یا دن کی یہ کیفیت ہو' نیز چوبیس گھنٹے میں وہاں زوال و غروب کا نظام نہ ہو' وہاں کے باشندوں کو اپنی پنجوقتہ نمازیں اندازہ سے ادا کرنا ہوگا' چنانچہ صحیح مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"ظہور دجال کے وقت پہلا دن ایک سال' دوسرا دن ایک ماہ' اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا' اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : ایک ایک دن کا اندازہ کرلیا کرنا"

رہے وہ مقامات جہاں رات کا بڑا یا چھوٹا ہونا چوبیس گھنٹے کے اندر ہوتا ہے تو وہاں نماز کی ادائیگی میں کوئی اشکال نہیں' عام دنوں کی طرح ان میں بھی نماز ادا کی جائے گی' خواہ رات یا دن انتہائی چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ اس سلسلہ میں جو دلیلیں وارد ہیں وہ عام ہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲ :

بعض لوگ فرض نمازیں اور خصوصاً ایام حج میں بحالت احرام کندھے کھول

کر پڑھتے ہیں' ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟

جواب :

اگر انسان عاجز و مجبور ہے تو کوئی حرج نہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن : ١٦)

اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا :

" اگر کپڑا کشادہ ہو تو اسے اوڑھ لو' اور اگر تنگ ہو تو اس کا ازار بنالو"

(متفق علیہ)

لیکن اگر وہ دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانکنے پر قادر ہے' تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ڈھانکنا ضروری ہے' اور اگر نہیں ڈھانکا تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

" تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کا کندھا کھلا ہوا ہو" (متفق علیہ) واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۳ :

بعض لوگ نماز فجر اتنی تاخیر سے پڑھتے ہیں کہ بالکل اجالا ہو جاتا ہے' اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں "نماز فجر اجالا ہو جانے پر پڑھو' یہ اجر عظیم کا باعث ہے" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نیز اس حدیث کے درمیان اور اس حدیث کے درمیان جس میں اول وقت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے' تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جواب :

مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے جو مسند احمد اور سنن اربعہ میں بروایت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مروی ہے' یہ حدیث نہ تو ان احادیث صحیحہ کے معارض ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے' اور نہ ہی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں اول وقت پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ بلکہ جمہور اہل علم کے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نماز فجر میں اتنی تاخیر کی جائے کہ فجر واضح ہو جائے اور پھر غلس (اندھیرا) کے زائل ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لی جائے' جیسا کہ آپ کا معمول تھا' البتہ مزدلفہ میں فجر طلوع ہوتے ہی پڑھنا افضل ہے' کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔

اس طرح نماز فجر کے وقت کے سلسلہ میں وارد تمام حدیثوں کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے' نیز یہ اختلاف محض افضلیت میں ہے' ورنہ نماز فجر کو آخیر وقت تک موخر کرنا بھی جائز ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے تک ہے" (صحیح مسلم' بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما)

سوال ۴ :

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ قمیص چھوٹی اور پاجامے لمبے رکھتے ہیں' اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب :

سنت یہ ہے کہ سارے لباس نصف پنڈلی سے دونوں ٹخنوں کے درمیان تک ہی رکھے جائیں' ٹخنوں سے نیچے ان کا لٹکنا جائز نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے :

"ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا" (صحیح بخاری)

اور یہی حکم تمام لباسوں کا ہے خواہ ازار ہو یا پاجامہ ' قمیص ہو یا جبہ ' اور حدیث میں ازار کا ذکر بطور مثال ہے ' اس سے تخصیص مقصود نہیں ' مگر افضل یہ ہے کہ سارے لباس نصف پنڈلی تک ہی رکھے جائیں ' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"مومن کا ازار نصف پنڈلی تک ہوتا ہے"

سوال ۵ :

اگر پتہ چل جائے کہ تلاش و جستجو کے بعد بھی نماز غیر قبلہ کی جانب پڑھی گئی ہے تو ایسی نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز یہی مسئلہ اگر مسلم ملک میں یا کافر ملک میں یا صحراء میں پیش آ جائے تو کیا ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے؟

جواب :

اگر کوئی شخص سفر میں ہے ' یا ایسے ملک میں ہے جہاں اسے قبلہ کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ' پھر اس نے قبلہ کی تلاش و جستجو کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھی ہے تو اس کی نماز صحیح ہے ' لیکن اگر وہ مسلم ملک میں ہے جہاں وہ لوگوں سے پوچھ کر یا مسجدوں کے رخ کو دیکھ کر قبلہ معلوم کر سکتا ہے تو وہاں اس کی نماز درست نہیں ہو گی۔

سوال ۶ :

بہت سے لوگ نماز شروع کرتے وقت زبان سے نیت کرتے ہیں ' اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

جواب :

زبان سے نیت کرنے کے لیے شریعت مطہرہ میں کوئی دلیل نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہء کرام رضی اللہ عنہم سے نماز شروع کرتے وقت زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں' درحقیقت نیت کی جگہ دل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہے'' (متفق علیہ بروایت امیرالمومنین عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ)

سوال ۷ :

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ حطیم میں نماز پڑھنے کے لیے کافی بھیڑ بھاڑ کرتے ہیں' سوال یہ ہے کہ حطیم میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کی کوئی فضیلت ہے؟

جواب :

حطیم خانہء کعبہ ہی کا حصہ ہے اور اس میں نماز پڑھنا مستحب ہے' جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے :

''آپ فتح مکہ کے موقع پر خانہء کعبہ میں داخل ہوئے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی'' (متفق علیہ' بروایت ابن عمرو بلال رضی اللہ عنہم)

نیز جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے خانہء کعبہ میں داخل ہونے کی رغبت ظاہر کی تو آپ نے ان سے فرمایا :

''حطیم میں نماز پڑھ لو' یہ بھی خانہء کعبہ کا حصہ ہے''

یہ حکم نفل نمازوں کا ہے' فرض نمازوں کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں خانہ کعبہ یا حطیم میں نہ ادا کیا جائے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ثابت نہیں' نیز بعض علماء کا یہ قول ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر' اور چونکہ حطیم خانۂ کعبہ ہی کا حصہ ہے اس لئے حطیم میں بھی فرض نماز ادا کرنا درست نہیں' پس معلوم ہوا کہ علماء کے اختلاف سے بچ کر سنت کی اتباع کرتے ہوئے فرض نمازوں کا خانۂ کعبہ اور حطیم کے باہر ہی ادا کرنا مشروع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۸ :

بعض عورتیں حیض اور استحاضہ کے درمیان فرق نہیں کرتیں' چنانچہ بسا اوقات استحاضہ کی وجہ سے لگاتار خون جاری رہتا ہے اور جب تک خون بند نہیں ہو جاتا وہ نماز نہیں پڑھتیں' اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب :

حیض وہ خون ہے جو عموماً ہر ماہ دستور الٰہی کے مطابق عورتوں کے رحم سے جاری ہوتا ہے' جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں مذکور ہے (اور استحاضہ وہ خون ہے جو عورت کے رحم کے اندر کسی رگ میں فساد و خلل پیدا ہو جانے سے جاری ہوتا ہے) اس سلسلہ میں مستحاضہ عورت کی تین حالتیں ہیں :

۱ - اگر اسے پہلی بار یہ خون آیا ہے یعنی پہلے سے اس کی کوئی اپنی عادت نہیں' تو وہ ہر مہینہ میں پندرہ دن' یا جمہور علماء کے قول کے مطابق اس سے کچھ کم' جب تک پاک نہیں ہو جاتی نماز' روزہ اور شوہر کے ساتھ ہمبستری سے دور رہے گی' اگر پندرہ دن کے بعد بھی خون آ رہا ہے تو وہ مستحاضہ ہے' اور ایسی حالت میں اپنے خاندان کی

ہم عمر عورتوں کے ایام حیض پر قیاس کرکے چھ یا سات دن خود کو حائضہ شمار کرے گی' مگر یہ اس صورت میں ہے جب اسے حیض اور استحاضہ کے درمیان تمیز نہ ہو۔

۲ - اگر وہ حیض اور استحاضہ کے درمیان رنگ یا بو کے ذریعہ فرق کرلیتی ہے تو جب تک حیض کے خون کی علامت پائی جائے وہ نماز' روزہ اور شوہر کے ساتھ ہمبستری سے دور رہے اور پھر غسل کرکے نماز پڑھنا شروع کردے' بشرطیکہ یہ مدت پندرہ دن سے زیادہ نہ ہو۔

۳ - اگر پہلے سے اس کی کوئی اپنی معروف عادت ہے تو وہ اپنی عادت کے بقدر نماز' روزہ اور شوہر کے ساتھ ہمبستری سے دور رہنے کے بعد غسل کرلے اور جب خون جاری ہو تو وقت ہو جانے کے بعد ہر نماز کے لیے وضو کرے' اور جب تک اگلے مہینہ کا حیض نہیں آجاتا وہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔

یہ ہے مستحاضہ عورت کے سلسلہ میں وارد حدیثوں کا خلاصہ' جسے حافظ ابن حجر۔ رحمہ اللہ۔ نے بلوغ المرام میں اور مجد بن تیمیہ۔ رحمہ اللہ۔ نے "المنتقی" میں ذکر کیا ہے۔

سوال ۹ :

ایک شخص کی ظہر کی نماز فوت ہوگئی اور اسے اس وقت یاد آیا جب نماز عصر کے لئے اقامت ہو چکی' کیا وہ عصر کی نیت سے جماعت میں شامل ہو یا ظہر کی نیت سے؟ یا پہلے تنہا ظہر پڑھے پھر عصر پڑھے؟ نیز فقہائے کرام کے اس قول کا کیا مطلب ہے : "موجودہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے" اور کیا جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ترتیب ساقط

ہوگی؟

جواب :

سوال میں مذکور شخص کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ ظہر کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے' پھر اس کے بعد عصر کی نماز پڑھے کیونکہ ترتیب واجب ہے' اور جماعت کے فوت ہونے کے اندیشہ سے ترتیب ساقط نہیں ہوگی' رہا فقہائے کرام کا مذکورہ بالا قول' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی نماز چھوٹی ہوئی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے موجودہ نماز سے پہلے پڑھے' لیکن اگر موجودہ نماز کا وقت تنگ ہے تو پہلے موجودہ نماز ہی پڑھے' مثلاً اس کی عشاء کی نماز چھوٹی ہوئی ہے اور اسے طلوع آفتاب سے کچھ پہلے یاد آیا' جبکہ اس دن کی فجر بھی اس نے نہیں پڑھی ہے' تو ایسی صورت میں وقت فوت ہونے سے پہلے پہلے وہ نماز فجر ادا کرلے' کیونکہ وقت اسی کا ہے' پھر عشاء پڑھے۔

سوال ۱۰ :

بہت سی عورتیں لاپرواہی سے نماز میں اپنے دونوں بازو یا ان کا کچھ حصہ' اور کبھی پاؤں اور پنڈلی کا کچھ حصہ کھلا رکھتی ہیں' کیا ایسی حالت میں ان کی نماز درست ہے؟

جواب :

مکلف اور آزاد عورت کے لیے نماز میں دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا ضروری ہے' کیونکہ عورت سراپا پردہ ہے' اگر وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ مثلاً پنڈلی' پاؤں اور سر وغیرہ کھول کر نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح نہیں

ہوگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"اللہ کسی بالغ عورت کی نماز دوپٹہ کے بغیر قبول نہیں فرماتا" (اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

اور آپ کا یہ ارشاد بھی ہے :

"عورت سراپا پردہ ہے"

نیز سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک موقع پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کیا عورت بغیر ازار کے قمیص اور دوپٹہ میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا :

"ہاں، بشرطیکہ قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس سے دونوں پاؤں ڈھکے ہوئے ہوں"

حافظ ابن حجر۔ رحمہ اللہ۔ بلوغ المرام میں فرماتے ہیں کہ ائمہ نے اس حدیث کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہونا صحیح قرار دیا ہے۔

اور اگر عورت کے قریب میں کوئی اجنبی مرد ہو تو چہرہ کا ہتھیلیوں اور ڈھانکنا بھی ضروری ہے۔

سوال ۱۱ :

عورت اگر عصر یا عشاء کے وقت حیض سے پاک ہو تو کیا اسے عصر کے ساتھ ظہر اور عشاء کے ساتھ مغرب کی نمازیں بھی پڑھنا ہوگا، کیونکہ بحالت عذر ان نمازوں کے درمیان جمع کیا جاتا ہے؟

جواب :

عورت اگر عصر یا عشاء کے وقت حیض یا نفاس سے پاک ہو تو علماء کے صحیح ترین

قول کے مطابق اسے عصر کے ساتھ ظہر اور عشاء کے ساتھ مغرب کی نماز بھی ادا کرنا ضروری ہے' کیونکہ دیر سے پاکی حاصل ہونے کی وجہ سے یہ بھی مسافر اور مریض کی طرح معذور ہے' اور معذور کے لیے دونوں نمازوں کا وقت ایک ہے' صحابہؓ کرام کی ایک جماعت کا یہی فتویٰ ہے۔

سوال ۱۲ :

جس مسجد کے اندر' یا اس کے صحن میں' یا قبلہ کی جانب کوئی قبر ہو اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :

جس مسجد میں کوئی قبر ہو اس میں نماز پڑھنا درست نہیں' خواہ وہ قبر نمازیوں کے آگے ہو یا پیچھے' دائیں ہو یا بائیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا" (متفق علیہ)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا :

"سنو! تم سے پہلے کے لوگ اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے' خبردار ! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا' میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں" (صحیح مسلم)

نیز قبر کے پاس نماز پڑھنا شرک اور مردوں کے حق میں غلو کا سبب ہے' لہٰذا مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور اس مفہوم کی دیگر احادیث پر عمل کرتے ہوئے اور شرک کے اسباب و وسائل کا سدباب کرنے کی خاطر اس کی ممانعت ضروری ہے۔

سوال ۱۳ :

بہت سے مزدور ظہر اور عصر کی نمازیں موخر کر کے رات میں پڑھتے ہیں' اور یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ وہ کام میں مشغول تھے یا ان کے کپڑے ناپاک یا میلے تھے' آپ انہیں اس سلسلہ میں کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

کسی مسلمان کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت' فرض نماز کو وقت سے موخر کرنا جائز نہیں' بلکہ بقدر استطاعت وقت پر ادا کرنا واجب ہے' کام کی مصروفیت یا کپڑوں کا ناپاک یا میلا ہونا نماز میں تاخیر کے لیے کوئی عذر نہیں' نیز نماز کے اوقات کو کام کے اوقات سے مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے' نماز کے اوقات میں کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ کپڑوں کی نجاست دور کر کے' یا پاک کپڑے بدل کر نماز ادا کرلیں' رہا کپڑوں کا میلا ہونا تو یہ نماز سے مانع نہیں' بشرطیکہ یہ نجاست کے قبیل سے نہ ہو' یا اس میں کوئی ایسی بدبو نہ ہو جس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے' لیکن اگر میل کچیل سے یا اس کی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسے دھل کر یا صاف ستھرے کپڑے بدل کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے' البتہ مسافر اور مریض جو شرعی طور پر معذور ہیں ان کے لیے ظہر و عصر کو ایک ساتھ' اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ جمع کر کے پڑھنا جائز ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' اور ایسے ہی اگر بارش اور کیچڑ لوگوں کے لیے مشقت کا باعث ہوں تب بھی جمع کرنا جائز ہے۔

سوال ۱۴ :

جو شخص نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اپنے کپڑوں میں نجاست پائے تو کیا

اسے نماز دہرانا ہوگی؟

جواب :

اگر کسی شخص نے نادانستہ طور پر جسم یا پوشاک کی نجاست کے ساتھ نماز ادا کرلی اور اسے اس کا علم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہوا' تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس کی نماز صحیح ہے' اسی طرح اگر اسے نماز سے قبل نجاست کا علم تھا مگر نماز کے وقت بھول گیا اور نماز کے بعد یاد آیا تب بھی اس کی نماز درست ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (سورة البقرہ : ۲۸۶)

اے ہمارے رب ! ہم اگر بھول گئے یا غلطی کر بیٹھے تو ہماری گرفت نہ فرما۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا : میں نے قبول کرلیا۔

نیز ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتوں میں نماز شروع کی' اتفاق سے جوتے میں گندگی لگی تھی' جبرئیل علیہ السلام نے جب آپ کو آگاہ کیا تو آپ نے جوتوں کو نکال کر اپنی نماز جاری رکھی اور نئے سرے سے نماز کا اعادہ نہیں کیا' یہ اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے آسانی اور رحمت ہے' مگر جس نے بھول کر بے وضو نماز ادا کرلی اسے اہل علم کے اجماع کے مطابق نماز دہرانا ہوگی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''بغیر وضو نہ تو کوئی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ خیانت کے مال کا کوئی صدقہ'' (صحیح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے :

"تم میں سے اگر کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے تو جب تک وہ دوبارہ وضو نہ کرلے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی" (متفق علیہ)

سوال ۱۵ :

موجودہ دور میں بہت سے لوگ نماز کی ادائیگی میں سستی برتتے ہیں' اور بعض تو ایسے ہیں جو بالکل پڑھتے ہی نہیں' ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز ان لوگوں کے تعلق سے ایک مسلمان اور خصوصاً اس کے والدین' اہل و عیال اور دیگر عزیز و اقارب پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

جواب :

نماز میں سستی برتنا بہت بڑا گناہ نیز منافقوں کی خصلت ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ يُخَـٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَـٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ (سورۃ النساء : ۱۴۲)

بیشک منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کرتے ہیں' حالانکہ اللہ نے ہی انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے' اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہیں تو الکساتے ہوئے' لوگوں کو دکھاتے ہیں' اور یہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

نیز منافقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَٰرِهُونَ﴾ (سورة التوبہ : ۵۴)

اور ان کی طرف سے ان کی خیرات کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا' اور یہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر الکساتے ہوئے' اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو برے دل سے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"منافقوں پر سب سے گراں عشاء اور فجر کی نماز ہے' اور اگر انہیں ان کے اجر و ثواب کا علم ہو جائے تو کبھی پیچھے نہ رہیں گے' چاہے سرین کے بل گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے" (متفق علیہ)

لہذا ہر مسلمان مرد و عورت پر سکون و اطمینان' خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ وقت پر پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی واجب ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ﴾ المومنون : ۱'۲)

فلاح یاب ہوگئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع برتتے ہیں۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب ایک صحابی نے اپنی نماز غلط طریقہ سے ادا کی اور اس میں اطمینان و سکون ملحوظ نہیں رکھا تو آپ نے انہیں نماز دہرانے کا حکم دیا۔

مردوں کے لیے خاص طور پر مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ با جماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

" جو شخص اذان سن کر بلا عذر مسجد نہ آئے اس کی نماز درست نہیں" (اسے

ابن ماجہ' دار قطنی' ابن حبان اور حاکم نے بسند صحیح روایت کیا ہے)

اور جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ عذر کیا ہے؟ تو فرمایا : خوف یا بیماری۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! مجھے مسجد لے جانے والا کوئی نہیں' تو کیا میرے لیے اجازت ہے کہ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ نے انہیں اجازت دیدی' مگر جب وہ واپس چلے تو پھر انہیں بلایا اور پوچھا : کیا تم اذان سنتے ہو؟ جواب دیا : ہاں' آپ نے فرمایا : پھر تو مسجد میں آکر ہی نماز پڑھو۔

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"میں نے ارادہ کیا کہ حکم دوں اور نماز قائم کی جائے اور کسی شخص کو مقرر کردوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے' پھر میں کچھ لوگوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھے ہوں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے' اور ان کے ساتھ ان کے گھروں کو آگ لگادوں" (متفق علیہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت مردوں کے حق میں واجب ہے' اور جماعت سے پیچھے رہنے والا عبرتناک سزا کا مستحق ہے' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات درست فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے (آمین)۔

رہا سرے سے نماز ہی چھوڑ دینا' چاہے کبھی کبھار ہی کیوں نہ ہو' تو علماء کے صحیح

ترین قول کے مطابق یہ کفر اکبر ہے بھلے ہی وہ نماز کے وجوب کا منکر نہ ہو' اور اس حکم میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"آدمی کے اور کفر و شرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے" (صحیح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا :

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان نماز کا فرق ہے' تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا" (اس حدیث کو امام احمد اور ائمہ سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

نیز اس مفہوم کی اور بھی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

مگر جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو بھلے ہی وہ نماز پڑھتا ہو' تو اہل علم کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے۔ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس بری خصلت سے محفوظ رکھے (آمین)۔

تمام مسلمانوں کے لیے باہم حق بات کی نصیحت کرنا نیز نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا ضروری ہے' چنانچہ جو شخص جماعت سے پیچھے رہتا' یا نماز میں سستی کرتا' یا بعض اوقات بالکل نماز پڑھتا ہی نہ ہو اسے اللہ کے غضب و عقاب سے ڈرانا چاہئے' خصوصاً اس کے ماں' باپ' بھائی' بہن' اور گھر والوں کو اسے برابر نصیحت کرتے رہنا چاہئے' یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے' ایسے ہی اگر عورتیں بھی نماز میں سستی کریں یا چھوڑ دیں' تو انہیں بھی نصیحت کرتے ہوئے اللہ کی ناراضگی اور اس کے عقاب سے ڈرانا چاہیئے' بلکہ نصیحت نہ قبول کرنے کی صورت میں ان کا بائیکاٹ کرنا اور ان کے ساتھ مناسب تادیبی کاروائی کرنا بھی ضروری ہے' کیونکہ یہی باہمی تعاون اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تقاضا ہے جسے اللہ تعالیٰ

نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ (سورۃ التوبہ : ۷۱)

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' یہ بھلی بات کا حکم دیتے اور بری بات سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں' اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا' بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو انہیں مارو اور ان کے بستر علیحدہ کر دو"

مذکورہ حدیث میں جب سات سال کے بچوں اور بچیوں کو نماز کا حکم' اور دس برس کی عمر میں نماز چھوڑنے پر مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو بالغ شخص کو نماز کا حکم دینا' نیز سستی و کوتاہی پر نصیحت کرتے ہوئے اس کے ساتھ مناسب تادیبی کاروائی کرنا بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

آپس میں حق بات کی تلقین اور حق کی راہ میں پیش آمدہ مصائب پر صبر و تحمل ضروری ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَٱلْعَصْرِ ۝ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴾ (سورۃ العصر : ۱-۳)

قسم ہے عصر کے وقت کی' بیشک سارے انسان گھاٹے میں ہیں' مگر وہ لوگ جو ایمان لائے' اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی اور مصیبت میں صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

اور جو شخص بالغ ہو جانے کے بعد نماز نہ پڑھے اور نہ ہی نصیحت قبول کرے' تو اس کا معاملہ شرعی عدالت میں پیش کیا جائے گا' تاکہ اس سے توبہ کرائی جائے' اگر توبہ کرکے راہ راست پر آجاتا ہے تو ٹھیک' ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات درست فرمائے' انہیں دین کی سمجھ دے' نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے' بھلی بات کا حکم دینے' بری بات سے روکنے' حق بات کی تلقین اور راہ حق میں پیش آمدہ مصائب پر صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال ۱۶ :

بعض لوگ گاڑی وغیرہ کے حادثے سے دوچار ہونے کے سبب چند دنوں کے لئے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں' یا ان پر بیہوشی طاری رہتی ہے' کیا ہوش و حواس درست ہو جانے کے بعد ایسے لوگوں پر فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے؟

جواب :

اگر یہ کیفیت تین دن یا اس سے کم مدت کے لیے ہو' تو نماز کی قضا واجب ہے' کیونکہ مذکورہ مدت کی بیہوشی نیند کے مشابہ ہے اور نیند قضا سے مانع نہیں' جیسا کہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ تین دن سے کم مدت کے لیے بیہوشی کے شکار ہوئے اور فوت شدہ نمازوں کی قضا کی۔

لیکن اگر یہ کیفیت تین دن سے زیادہ مدت کے لیے ہو تو فوت شدہ نمازوں کی قضا نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"تین قسم کے لوگوں سے قلم کو روک لیا گیا ہے : سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے، اور پاگل یہاں تک کہ اس کے ہوش و حواس درست ہو جائیں"

اور مذکورہ مدت کی بیہوشی جنون (پاگل پن) کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں عقل زائل ہوتی ہے، واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۷ :

بہت سے مریض نماز کی ادائیگی میں سستی برتتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شفایاب ہونے کے بعد قضا کر لیں گے، اور بعض پاکی و طہارت پر قادر نہ ہونے کا بہانہ بناتے ہیں، ایسے لوگوں کو آپ کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

جب تک ہوش و حواس درست ہوں تو محض اس دلیل سے کہ طہارت حاصل کرنے پر قدرت نہیں، بیماری نماز کی ادائیگی سے مانع نہیں ہے، بلکہ مریض پر اپنی طاقت کے مطابق نماز ادا کرنا واجب ہے، پانی سے طہارت حاصل کر سکتا ہے تو پانی سے طہارت حاصل کرے، ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھے، نیز نماز کے وقت جسم اور لباس سے ناپاکی دھل لے، یا پاک و صاف کپڑے بدل لے، اگر نجاست دھلنے یا پاک کپڑے بدلنے کی بھی طاقت نہیں تو اپنی اسی حالت میں نماز پڑھ لے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (سورۃ التغابن : ۱۶)

اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے اپنی طاقت کے مطابق بجا لاؤ"

(متفق علیہ)

ایسے ہی جب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیماری کا شکوہ کیا تو آپ نے انہیں حکم دیتے ہوئے فرمایا :

"نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرو' اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر' اور بیٹھ بھی نہیں سکتے تو کروٹ کے بل"

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے' اس حدیث کو نسائی نے بھی صحیح کے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں اتنا اضافہ ہے :

"اگر کروٹ کے بل بھی طاقت نہیں تو چت لیٹ کر"

سوال ۱۸ :

ایک شخص نے جان بوجھ کر ایک یا ایک سے زیادہ وقت کی نمازیں چھوڑ دیں' مگر بعد میں اس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سچی توبہ کر لی' کیا وہ چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا کرے؟

جواب :

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا ضروری نہیں' کیونکہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافروں کے زمرہ میں آ جاتا ہے' اور کافر کو اسلام لانے کے بعد حالت کفر کی چھوڑی

ہوئی نمازوں کی قضا نہیں کرنا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"آدمی کے اور کفرو شرک کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے" (صحیح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا :

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان نماز کا فرق ہے' تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا" (مسند احمد و سنن اربعہ' بروایت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے حالت کفر کی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا' اور نہ ہی صحابہ کرام نے مرتدین کو دوبارہ اسلام میں واپس ہونے کے بعد حالت ارتداد کی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا کا حکم دیا' لیکن جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا اگر نماز کے وجوب کا منکر نہیں تو قضا کرنے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ اسی میں احتیاط نیز اختلاف سے نجات ہے' جیسا کہ اکثر اہل علم اس شخص کو نماز چھوڑنے پر کافر نہیں گردانتے جو نماز کے وجوب کا قائل ہو' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۹ :

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اول وقت پر اذان نہیں دی گئی تو بعد میں اذان دینے کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ اذان دینے کا مقصد لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے' اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا صحراء و بیابان میں تنہا شخص کے لیے اذان دینا مشروع ہے؟

جواب :

جہاں بہت سارے موذن موجود ہوں جن کی اذان سے مقصد حاصل ہو گیا ہو' وہاں اگر کسی موذن نے اول وقت پر اذان نہیں دی تو بعد میں اذان دینا اس کے لئے

مشروع نہیں' ہاں معمولی تاخیر کی صورت میں اذان دی جا سکتی ہے۔

البتہ اگر شہر میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا موذن نہیں ہے تو ایسی حالت میں کچھ دیر ہی سے سہی' اذان دینا واجب ہے' کیونکہ اذان دینا فرض کفایہ ہے' اور جب اس کے علاوہ کوئی دوسرا اذان دینے والا نہیں تو یہ ذمہ داری اس کے اوپر واجب ہے' نیز اس لیے بھی اس صورت میں اذان دینا ضروری ہے کہ عام طور پر لوگوں کو اذان کا انتظار رہتا ہے۔

رہا مسافر تو اس کے لئے اذان دینا مشروع ہے' چاہے وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو' جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیتے ہوئے فرمایا : جب تو صحرا و بیابان میں ہو یا اپنی بکریوں میں ہو تو بلند آواز سے اذان دے لیا کر' کیونکہ موذن کی آواز جس جس مخلوق نے سنا خواہ انسان ہو یا جن یا کوئی اور مخلوق' وہ سب کے سب قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دیں گے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مرفوع قرار دیا ہے۔ نیز مسافر کے لیے اذان دینا اس لئے بھی مشروع ہے کہ اذان کی مشروعیت اور اس کی افادیت کے سلسلہ میں وارد تمام حدیثیں عام ہیں۔

سوال ۲۰ :

کیا صرف عورتوں کے لیے خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں' تنہا یا باجماعت نماز پڑھنے کے لئے اذان اور اقامت مشروع ہے؟

جواب :

عورتوں کے لیے اذان اور اقامت مشروع نہیں' خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں' بلکہ اذان اور اقامت مردوں کے لیے خاص ہے' جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

سوال ۲۱ :

کسی تنہا شخص نے یا کسی جماعت نے بھول کر بلا اقامت نماز پڑھ لی' تو کیا اس سے نماز متاثر ہو گی؟

جواب :

جو نماز بھول کر بلا اقامت پڑھ لی جائے وہ درست ہے' خواہ کسی تنہا شخص نے پڑھی ہو یا کسی جماعت نے' اسی طرح اگر بلا اذان کے نماز پڑھ لی جائے تب بھی نماز درست ہے' مگر جن سے اذان اور اقامت چھوٹی ہے انہیں اللہ سے توبہ کرنی چاہیئے' کیونکہ اذان اور اقامت فرض کفایہ اور اصل نماز سے خارج ہیں' اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر بعض نے اسے انجام دے دیا تو باقی لوگوں سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جائے گی' اور اگر سب نے چھوڑ دیا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے' پس اذان اور اقامت کا بھی یہی حکم ہے' اگر کسی نے انہیں انجام دے دیا تو باقی لوگوں سے ان کا وجوب اور گناہ ساقط ہو جائے گا' خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں' شہر میں ہوں یا گاؤں اور دیہات میں' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے (آمین)

سوال ۲۲ :

فجر کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کہنے کی کیا دلیل ہے؟ نیز بعض لوگ اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کا اضافہ کرتے ہیں۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

جواب :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بلال اور ابو محذورہ رضی اللہ

عنہما کو فجر کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْم" کہنے کا حکم دیا تھا' اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : فجر کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْم" کہنا سنت ہے (صحیح ابن خزیمہ)

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ کلمات اس اذان میں کہے جائیں گے جو صبح صادق کے طلوع ہونے کے وقت دی جاتی ہے' اور اقامت کی بہ نسبت یہی اذان اول اور اقامت اذان ثانی ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے"

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے۔

رہا اذان میں بعض شیعوں کا "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَل" کا اضافہ کرنا' تو یہ سراسر بدعت ہے' احادیث صحیحہ میں اس کی کوئی اصل نہیں' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور تمام مسلمانوں کو سنت نبوی کی اتباع کرنے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہنے کی توفیق دے' یہی راہ نجات اور سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۴ :

حدیث میں وارد ہے کہ نماز کسوف کے لئے "الصلاۃ جامعہ" کہہ کر منادی کی جائے' کیا یہ کلمہ ایک بار کہا جائے یا بار بار کہنا مشروع ہے؟ اور اگر تکرار مشروع ہے تو اس کی کیا حد ہے؟

جواب :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے نماز کسوف کے لئے "الصلاۃ

جامعہ" کہہ کر منادی کرنے کا حکم دیا ہے' سنت یہ ہے کہ منادی کرنے والا اس کلمہ کو بار بار دہرائے' یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ لوگوں نے سن لیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اس کی کوئی حد متعین نہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۴ :

بہت سے لوگ سترہ کے معاملہ میں شدت برتتے ہیں' یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر انہیں سترہ بنانے کے لئے کوئی ستون خالی نہ ملا تو انتظار میں ٹھہرے رہتے ہیں' اور بغیر سترہ کے نماز پڑھنے والے پر نکیر کرتے ہیں' جب کہ بعض لوگ ان کے برعکس سترہ کے معاملہ میں سستی برتتے ہیں' اس سلسلہ میں حق بات کیا ہے؟ اور اگر سترہ رکھنے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو کیا لکیر سترہ کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ اور کیا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے؟

جواب :

سترہ رکھ کر نماز پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے' اگر کوئی چیز گاڑنے کے لئے نہ ملے تو لکیر کھینچ لینا کافی ہے' اور اس کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سامنے سترہ رکھ لے اور اس سے قریب ہو کر نماز پڑھے" (سنن ابو داؤد بسند صحیح)

ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے :

"نمازی کے سامنے اگر کجاوہ کی آخری لکڑی کے مانند کوئی چیز نہ ہو تو اس کی

نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا سامنے سے گذر کر کاٹ دیتے ہیں" (صحیح مسلم)

ایک تیسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا :

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر کچھ نہ پائے تو لاٹھی ہی گاڑ لے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ایک لکیر ہی کھینچ دے، پھر سامنے سے کسی چیز کے گذرنے پر اسے کوئی نقصان نہیں ہو گا" (مسند احمد اور ابن ماجہ بسند حسن)

حافظ ابن حجر۔ رحمہ اللہ۔ بلوغ المرام میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض اوقات بغیر سترہ کے نماز پڑھی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سترہ رکھنا واجب نہیں۔

البتہ مسجد حرام کی نماز اس حکم سے مستثنیٰ ہے، مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے کو سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ وہ مسجد حرام میں بلا سترہ کے نماز پڑھتے تھے اور طواف کرنے والے ان کے سامنے سے گذرتے رہتے تھے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ سترہ کی مشروعیت مسجد حرام میں اس لئے بھی ساقط ہے کہ مسجد حرام میں عموماً بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے اور نمازی کے آگے سے گذرنے سے بچنا ناممکن ہوتا ہے، نیز بھیڑ بھاڑ کے اوقات میں مسجد نبوی اور دیگر مسجدوں کا بھی یہی حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (سورۃ التغابن : ١٦)

اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے اپنی طاقت کے مطابق بجا لاؤ"
(متفق علیہ)

سوال ۲۵ :

بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ نماز میں بحالت قیام اپنے ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھتے ہیں' اور بعض لوگ سینے کے اوپر رکھتے ہیں اور ناف کے نیچے باندھنے والوں پر سخت نکیر کرتے ہیں' اور بعض داڑھی کے نیچے باندھتے ہیں' اور بعض سرے سے باندھتے ہی نہیں' بلکہ لٹکائے رکھتے ہیں' تو اس مسئلہ میں صحیح کیا ہے؟

جواب :

افضل یہ ہے کہ نماز میں بحالت قیام رکوع کے پہلے اور رکوع کے بعد دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھ کر سینہ پر باندھا جائے' جیسا کہ وائل بن حجر' قبیصہ بن ہلب طائی اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

رہی بات ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی' تو اس سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف حدیث مروی ہے' مگر داڑھی کے نیچے ہاتھ باندھنا' یا لٹکائے رکھنا خلاف سنت ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۶ :

بہت سے لوگ جلسۂ استراحت کا اہتمام کرتے ہیں اور اگر کسی نے نہ کیا تو اس پر اعتراض کرتے ہیں' تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور کیا یہ منفرد کی طرح امام اور

مقتدی کے لئے بھی مشروع ہے؟

جواب :

جلسۂ استراحت امام' مقتدی اور منفرد سب کے لئے مستحب ہے' اور یہ دونوں سجدوں کے بعد ایک ہلکا سا جلسہ ہے جس کی مقدار وہی ہے جو دونوں سجدوں کے درمیان کے جلسہ کی ہے' اس میں کوئی ذکر و دعا مشروع نہیں' اگر کسی نے نہیں بھی کیا تو کوئی حرج نہیں' جلسہ استراحت کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث وارد ہیں جو مالک بن حویرث' ابو حمید ساعدی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۷ :

ہوائی جہاز میں نماز ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور کیا جہاز میں اول وقت پر نماز پڑھنا افضل ہے یا ہوائی اڈہ پر پہنچنے کا انتظار کرنا' اگر نماز کے آخر وقت میں جہاز کے پہنچنے کی امید ہو؟

جواب :

ہوائی جہاز کے سفر میں جب نماز کا وقت ہو جائے تو حسب استطاعت نماز ادا کر لینا واجب ہے' اگر جہاز میں کوئی ایسی جگہ میسر ہے جہاں قیام اور رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی ہے تو ٹھیک' ورنہ بیٹھ کر اشاروں سے رکوع و سجود کرتے ہوئے نماز پڑھی جائے گی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (سورۃ التغابن : ١٦)

اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ان کی بیماری کی حالت میں فرمایا :

"کھڑے ہو کر نماز پڑھو' کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ کر' اور بیٹھ بھی نہیں سکتے تو کروٹ کے بل"

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور نسائی نے اتنا اضافہ کیا ہے :

"اور اگر کروٹ کے بل نہ ہو سکے تو چت لیٹ کر"

افضل یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں اول وقت پر نماز ادا کر لی جائے' لیکن اگر کسی نے ہوائی اڈے پر پہنچ کر آخر وقت میں نماز ادا کی تب بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس سلسلہ میں دلائل عام ہیں۔ یہی حکم موٹر' ٹرین اور کشتی وغیرہ کا بھی ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۸ :

بہت سے لوگ نماز میں بکثرت لغو کام اور حرکتیں کرتے رہتے ہیں' تو کیا نماز کے باطل ہونے کے لئے حرکت کی کوئی حد متعین ہے؟ اور بعض لوگ لگاتار تین حرکت کرنے سے نماز کو باطل قرار دیتے ہیں' تو کیا اس تحدید کی کوئی اصل ہے؟ اور جو لوگ اپنی نمازوں میں بکثرت لغو کام کرتے ہیں انہیں آپ کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

نماز میں اطمینان و سکون ملحوظ رکھنا' نیز لغو کام سے اجتناب کرنا ہر مومن مرد و

عورت کے لئے ضروری ہے' کیونکہ اطمینان و سکون نماز کا ایک رکن ہے' جیسا کہ صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو جس نے اپنی نماز میں اطمینان ملحوظ نہیں رکھا نماز دہرانے کا حکم دیا' پس نماز میں خشوع و خضوع اور حضور قلب ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے مشروع ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ سورۃ المومنون : ۱'۲)

کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

نماز میں لباس اور داڑھی وغیرہ سے کھیلنا مکروہ ہے' اور اگر یہ فعل لگاتار اور کثرت سے ہو تو حرام اور نماز کے باطل ہونے کا سبب ہے' جو لوگ نماز کے باطل ہونے کے لئے تین حرکتوں کی تحدید کرتے ہیں ان کا یہ قول ضعیف اور بے بنیاد ہے' بلکہ یہ امر نمازی کے اعتقاد پر موقوف ہے' اگر نمازی کا اعتقاد یہ ہے کہ اس نے لگاتار اور کثرت سے حرکتیں کی ہیں تو اسے فرض نماز کی صورت میں نماز دہرانا ہو گا اور اللہ سے توبہ کرنی ہو گی۔

ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے میری نصیحت ہے کہ وہ نماز میں خشوع و خضوع کا اہتمام کریں' نیز معمولی حرکت و عبث سے بھی اجتناب کریں' کیونکہ نماز کی بڑی اہمیت ہے' یہ اسلام کا ستون اور شہادتین کے اقرار کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن ہے' نیز قیامت کے دن بندوں سے سب سے پہلے اسی کے متعلق پوچھ تاچھ ہو گی' اللہ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضی کے مطابق نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال ۲۹ :

سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا افضل ہے یا گھٹنوں کا؟ نیز اس مسئلہ میں وارد دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق کی کیا

صورت ہے؟

جواب :

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا ہی سنت ہے' بشرطیکہ اس کی استطاعت ہو' اور یہی جمہور کا قول ہے' جیسا کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے' نیز اور اس مفہوم کی دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

رہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث' تو یہ درحقیقت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مخالف نہیں' بلکہ موافق ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نمازی کو اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے' اور یہ معلوم ہے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھنے ہی میں اونٹ کی مشابہت ہے' رہا حدیث کے آخر میں آپ کا یہ ارشاد کہ "ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے" تو قرین قیاس یہ ہے کہ بعض راویوں سے حدیث میں الٹ پھیر ہو گئی ہے' اور درست عبارت یوں ہے "گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھے"۔

اس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا آخری حصہ پہلے حصہ کے موافق ہو جاتا ہے' اور حدیثوں کے درمیان سے تعارض دور ہو جاتا ہے' علامہ ابن قیم۔ رحمہ اللہ۔ نے اپنی کتاب "زاد المعاد" میں یہی توجیہ کی ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص بیماری یا بڑھاپا کی وجہ سے زمین پر پہلے گھٹنوں کو رکھنے سے قاصر ہے تو اس کے لئے ہاتھوں کو پہلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (سورۃ التغابن : ۱۶)

اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''جس چیز سے میں تمہیں روک دوں اس سے باز رہو' اور جس چیز کا حکم دوں اسے اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ'' (متفق علیہ) واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۳۰ :

نماز میں کھکھارنے' پھونکنے اور رونے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا ان چیزوں سے نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب :

کھکھارنے' پھونکنے اور رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی' ضرورت پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں' البتہ بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ آپ سے نماز کی حالت میں اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے لئے کھکھارتے تھے۔

رہا رونا' تو اگر یہ خشوع اور خشیت الٰہی کے سبب سے ہے تو نماز ہو یا غیر نماز' یہ ہر وقت کے لئے مشروع ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے' ابوبکر و عمر فاروق سے نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت' اور تابعین عظام سے نماز میں رونا ثابت ہے۔

سوال ۳۱ :

نمازی کے آگے سے گذرنے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں حرم شریف کا حکم دوسری مسجدوں سے مختلف ہے؟ اور قطع صلاۃ کا کیا مطلب ہے؟ نیز نمازی کے آگے سے اگر کالا کتا' یا عورت' یا گدھا گذر جائے تو کیا

اسے نماز لوٹانی ہوگی؟

جواب :

نمازی کے آگے سے یا اس کے اور سترہ کے درمیان سے گذرنا حرام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو چالیس سال تک اس کا انتظار میں ٹھہرا رہنا نمازی کے آگے سے گذرنے سے بہتر ہوگا" (متفق علیہ)

نیز نمازی کے آگے سے بالغ عورت، یا گدھا، یا کالا کتا کے گذرنے سے نماز باطل ہو جائے گی، البتہ ان کے علاوہ کسی اور چیز کے گذرنے سے نماز باطل نہیں ہوگی، مگر ثواب کم ہو جائے گا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اپنے سامنے کجاوہ کی آخری لکڑی کی مانند کوئی چیز نہ رکھے، تو اس کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا گذر کا کاٹ دیتے ہیں" (صحیح مسلم بروایت ابو ذر رضی اللہ عنہ)

صحیح مسلم ہی میں اس مفہوم کی ایک دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر اس میں مطلق کتا کا ذکر ہے، کالے کتے کی قید نہیں، اور اہل علم کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

رہی بات مسجد حرام کی، تو اس میں نمازی کے آگے سے گذرنا نہ تو حرام ہے اور نہ ہی کسی چیز کے گذرنے سے نماز باطل ہوگی، خواہ وہ حدیث میں مذکور تین چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز ہو، کیونکہ مسجد حرام بھیڑ بھاڑ کی جگہ ہے، وہاں نمازی کے

آگے سے گذرنے سے بچنا ناممکن ہے' جیسا کہ اس سلسلہ میں ایک صریح حدیث بھی وارد ہے' جو گرچہ ضعیف ہے مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار سے اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے۔

نیز بھیڑ بھاڑ کے موقع پر یہی حکم مسجد نبوی اور دیگر مسجدوں کا بھی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ ﴾ (سورۃ التغابن : ١٦)

اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور فرمایا :

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَاۚ ﴾ (سورۃ البقرہ : ٢٨٦)

اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جس چیز سے میں تمہیں روک دوں اس سے باز آجاؤ اور جس بات کا حکم دوں اسے اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ" (متفق علیہ)

سوال ٣٢ :

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں فرض نماز کے درمیان اور نفل نماز کے درمیان کوئی فرق ہے؟

جواب :

دعا کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا سنت اور قبولیت کا سبب ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے :

''تمہارا رب باحیا اور کرم نواز ہے' جب اس کا بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے' تو اسے خالی واپس کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہوتی ہے''

اس حدیث کو امام ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''بیشک اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے' اور اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۷۲)

مومنو ! تم ہماری دی ہوئی پاک روزی کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم خالص اللہ کی بندگی کرتے ہو۔

اور فرمایا :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾

پیغمبرو ! پاک چیز کھاؤ اور اچھے عمل کرتے رہو' بیشک میں جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہوں۔ (سورۃ المومنون : ۵۱)

پھر آپ نے فرمایا :

''ایک شخص دور دراز کا سفر کرتا ہے' بال پراگندہ اور جسم غبار آلود ہوتا ہے' اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اے رب' اے رب' کہہ کر دعا کرتا ہے'

مگر اس کی دعا کہاں سے قبول ہو جب اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام' اور حرام سے اس کی پرورش ہوئی ہے" (صحیح مسلم)

لیکن جن مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھوں کو نہیں اٹھایا وہاں اٹھانا درست نہیں ہے' جیسے پنج وقتہ فرض نمازوں کے بعد' دونوں سجدوں کے درمیان' سلام پھیرنے سے پہلے' اور جمعہ و عیدین کا خطبہ دیتے وقت' ان جگہوں پر آپ سے ہاتھ کا اٹھانا ثابت نہیں' اور ہمیں کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں آپ ہی کی اقتدا کرنی ہوگی' البتہ جمعہ و عیدین کے خطبہ میں اگر استسقاء کے لئے دعا کرنا ہو تو ہاتھوں کا اٹھانا مشروع ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

رہی بات نفل نمازوں کی' تو میرے علم میں ان کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد دلیلیں عام ہیں' مگر افضل یہ ہے کہ اس پر مداومت نہ کی جائے' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیز ثابت نہیں اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ یہ بات ضرور منقول ہوتی' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے سفر و حضر کے تمام اقوال و افعال اور احوال و اوصاف کی نقل و روایت میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔

رہی یہ حدیث جو لوگوں کے درمیان مشہور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"نماز' خشوع و تضرع اور ہاتھ اٹھا کر اے رب' اے رب کہہ کر دعا مانگنے کا نام ہے"

تو یہ حدیث ضعیف ہے' جیسا کہ حافظ ابن رجب وغیرہ نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۴۳ :

ہم نے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نماز کے بعد پیشانی پر لگی ہوئی مٹی کا جھاڑنا مکروہ ہے' کیا اس بات کی کوئی دلیل ہے؟

جواب :

ہمارے علم کے مطابق اس کی کوئی دلیل نہیں' البتہ سلام پھیرنے سے پہلے ایسا کرنا مکروہ ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ بارش کی رات میں جب آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا گیا کہ آپ کے چہرہ پر پانی اور مٹی کے آثار ہیں' یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پیشانی سے مٹی وغیرہ کا نہ جھاڑنا افضل ہے۔

سوال ۴۴ :

فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سلسلہ میں فرض نماز کے اور نفل نماز کے درمیان کوئی فرق ہے؟

جواب :

دراصل مصافحہ مسلمانوں کے لئے ملاقات کے وقت مشروع ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتے' نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو مصافحہ کرتے تھے' انس رضی اللہ عنہ اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو مصافحہ کرتے' اور جب سفر سے واپس ہوتے تو معانقہ کرتے تھے۔

نیز صحیحین کی روایت ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے

ہیں جب اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی تو یہ مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ سے اٹھے اور کعب بن مالک کی طرف بڑھے' اور انہیں توبہ کی قبولیت پر مبارکباد دیتے ہوئے ان سے مصافحہ کیا۔ مصافحہ کی سنت عہد نبوی اور اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان مشہور و معروف رہی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ ان کے جسم سے اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں''

مسجد میں یا صف میں ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے' اگر نماز سے پہلے مصافحہ نہیں کیا ہے تو بعد میں مصافحہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں' کیونکہ یہ ایک عظیم سنت ہے اور اس پر عمل کرنا باہم الفت و محبت کے حصول اور بغض و عداوت کے خاتمہ کا سبب ہے۔

البتہ فرض نماز سے پہلے اگر مصافحہ نہیں کیا ہے تو اذکار مسنونہ سے فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کرنا درست ہے۔

جو لوگ فرض نماز سے دوسرا سلام پھیرتے ہی مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کے اس فعل کی میرے علم کے مطابق کوئی دلیل نہیں' بلکہ اس کا مکروہ ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے' اور اس لئے بھی کہ نمازی کو اس وقت ان اذکار مسنونہ کا اہتمام کرنا چاہیئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

البتہ نفل نماز کے بعد فوراً مصافحہ کرنا درست ہے بشرطیکہ نماز سے پہلے مصافحہ نہ کیا ہو۔

سوال ۳۵ :

فرض نماز کے بعد سنت پڑھنے کے لئے جگہ بدلنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے مستحب ہونے کی کوئی دلیل ہے؟

جواب :

میرے علم کے مطابق اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں' البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بہت سے سلف ایسا کرتے تھے' الحمدللہ مسئلہ میں وسعت ہے' نیز سنن ابی داؤد میں اس سے متعلق ایک ضعیف حدیث وارد ہے جسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف صالحین کے فعل سے تقویت مل جاتی ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۳۶ :

فجر اور مغرب کی فرض نمازوں کے بعد "لآاِلٰهَ اِلاَّاللّٰهُ' وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ' لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ' يُحْيِيْ وَ يُمِيتُ' وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيرٌ" اس کو دس دس بار پڑھنے کی ترغیب آئی ہے' کیا اس سلسلہ میں وارد حدیثیں صحیح ہیں؟

جواب :

فجر اور مغرب کی فرض نمازوں کے بعد مذکورہ بالا دعا کو دس دس بار پڑھنے کی مشروعیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے' ہر مسلمان مرد و عورت کو مذکورہ دونوں نمازوں کے بعد یہ دعا دیگر اذکار مسنونہ سے فارغ ہو کر پابندی سے پڑھنا چاہیئے' وہ اذکار مسنونہ جو پانچوں نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں

درج ذیل ہیں :

"اَستَغفِرُ اللّٰہَ' اَستَغفِرُ اللّٰہَ' اَستَغفِرُ اللّٰہَ' اَللّٰھُمَّ اَنتَ السَّلَامُ' وَمِنکَ السَّلَامُ' تَبَارَکتَ یَا ذَاالجَلَالِ وَ الاِکرَامِ' لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ' وَحدَہُ لَا شَرِیکَ لَہُ' لَہُ المُلکُ وَلَہُ الحَمدُ' وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدِیرٌ' لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' وَلَا نَعبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ' لَہُ النِّعمَۃُ وَ لَہُ الفَضلُ وَ لَہُ الثَّنَاءُ الحَسَنُ' لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' مُخلِصِینَ لَہُ الدِّینَ' وَلَو کَرِہَ الکَافِرُونَ' اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعطَیتَ' وَلَا مُعطِیَ لِمَا مَنَعتَ' وَلَا یَنفَعُ ذَا الجَدِّ مِنکَ الجَدُّ"

میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' اے اللہ ! تو سلامتی والا ہے اور تجھی سے سلامتی حاصل ہوتی ہے' تیری ذات بابرکت ہے اے عظمت و جلال والے ! اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کی تعریف' اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے' کوئی طاقت و قوت اللہ کی توفیق کے بغیر کارگر نہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں' نعمت و فضل اسی کا ہے اور اسی کے لئے عمدہ تعریف ہے' اللہ کے سوا کوئی مبعود برحق نہیں' ہماری عبادت اسی کے لئے خالص ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار لگے' اے اللہ ! جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں' اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں' اور کسی مالدار کو اس کا مال تیرے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔

امام ہونے کی صورت میں تین بار "استغفر اللہ" اور "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ، وَ مِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَام" پڑھنے کے بعد اسے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، مقتدیوں کی طرف رخ کرتے وقت امام کا دائیں یا بائیں دونوں جانب سے مڑنا درست ہے، آپ سے دونوں صورتیں ثابت ہیں۔

اسی طرح ہر فرض نماز کے بعد مندرجہ بالا اذکار کو پڑھنے کے بعد ۳۳ بار "سبحان اللہ"، ۳۳ بار "الحمد للہ"، ۳۳ بار "اللہ اکبر" اور آخر میں ایک بار "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر" پڑھنا بھی مستحب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دلاتے ہوئے اسے بخشش و مغفرت کا سبب بتایا ہے۔

ایسے ہی ہر فرض نماز کے بعد اذکار مسنونہ سے فارغ ہوکر آیت الکرسی، "قل ھواللہ احد"، "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" کا پڑھنا بھی مشروع ہے، مگر فجر اور مغرب کی نماز کے بعد نیز سونے کے وقت ان سورتوں کا تین تین بار پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

سوال ۷۳ :

موجودہ دور میں بہت سے مسلمان، یہاں تک کہ بعض اہل علم بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں سستی برتتے ہیں، اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ بعض علماء جماعت کے وجوب کے قائل نہیں، سوال یہ ہے کہ نماز باجماعت کا حکم کیا ہے؟ اور ایسے لوگوں کے لئے آپ کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب :

اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا ہر اس مرد پر واجب ہے جو اذان سنتا اور جماعت میں حاضر ہونے کی قدرت رکھتا ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جو شخص اذان سن کر بلا کسی عذر کے مسجد نہ آئے تو اس کی نماز نہیں"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' دار قطنی' ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث میں مذکور "عذر" کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا : خوف یا مرض۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! مجھے مسجد لے جانے والا کوئی نہیں' تو کیا میرے لئے اجازت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپ نے پوچھا : کیا تم اذان سنتے ہو؟ کہا : ہاں' آپ نے فرمایا : پھر تو مسجد میں آکر نماز پڑھو۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"میں نے ارادہ کیا کہ حکم دوں اور نماز قائم کی جائے اور کسی شخص کو مقرر کر دوں جو لوگوں کو نماز پڑھائے' پھر میں کچھ لوگوں کو لے کر جن کے ساتھ لکڑیوں کے گٹھے ہوں' ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے ساتھ ہی ان کے گھروں کو آگ لگا دوں"

یہ ساری حدیثیں نیز اس مفہوم کی دیگر احادیث اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ نماز باجماعت مردوں کے حق میں واجب ہے اور جماعت سے پیچھے رہنے والا عبرتناک سزا کا مستحق ہے' اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب نہ ہوتا تو جماعت سے پیچھے رہنا والا سزا کا مستحق نہ ہوتا۔

نیز مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس لئے واجب ہے کہ یہ دین اسلام کا ایک عظیم ظاہری شعار ہے اور مسلمانوں کے لئے باہمی تعارف' الفت و محبت کے حصول اور بغض و عداوت کے خاتمہ کا سبب ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جماعت سے پیچھے رہنا منافقوں کی مشابہت ہے' پس ہر شخص پر جماعت کی پابندی واجب ہے' اور اس سلسلہ میں کسی کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں' کیونکہ جو قول شرعی دلائل کے خلاف ہو وہ متروک اور ناقابل اعتماد ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ﴾

(سورۃ النساء : ۵۹)

پس اگر تم کسی معاملہ میں باہم اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالہ کر دو' اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو' یہی بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ ﴾

(سورۃ الشوریٰ : ۱۰)

اور جس بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے۔

نیز صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یاد ہے کہ منافق یا بیمار کے علاوہ ہم میں سے کوئی شخص باجماعت نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا' یہاں تک کہ معذور شخص بھی دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

یہ تھا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جماعت کی نماز کے لئے شوق و اہتمام' کہ ان میں سے بیمار اور معذور شخص بھی جماعت سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتا تھا' بلکہ دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۳۸ :

امام کے پیچھے قرأت کے سلسلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں' اس سلسلہ میں صحیح کیا ہے؟ اور کیا مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے؟ اور اگر امام اپنی قرأت کے دوران سکتوں کا اہتمام نہ کرے تو پھر مقتدی سورہ فاتحہ کب پڑھے گا؟ اور کیا امام کے لئے سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد سکتہ کرنا مشروع ہے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں؟

جواب :

درست بات یہ ہے کہ مقتدی کے لئے تمام نمازوں میں خواہ سری ہوں یا جہری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث عام ہے :

"جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں" (متفق علیہ)

اور وہ حدیث بھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

سے دریافت فرمایا :

"شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا : ہاں، آپ نے فرمایا : سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو، کیونکہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں" (مسند احمد بسند صحیح)

مشروع یہ ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ کو امام کی قرأت کے دوران سکتوں میں پڑھے، اگر امام کی قرأت میں سکتوں کا اہتمام نہ ہو تو امام کی قرأت کے دوران ہی پڑھ لے، پھر خاموش ہو جائے۔

رہیں وہ دلیلیں جن سے امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے تو ان کے عموم سے سورۂ فاتحہ کا حکم مستثنیٰ ہے، لیکن اگر کوئی مقتدی بھول کر، یا لاعلمی سے، یا غیرواجب سمجھ کر اسے چھوڑ دے تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہوگی اور نماز صحیح ہو جائے گی، اسی طرح اگر کوئی شخص بحالت رکوع جماعت میں شامل ہو تو اس کی یہ رکعت پوری ہو جائے گی اور سورۂ فاتحہ کی قرأت کا وجوب اس سے ساقط ہو جائے گا، کیونکہ اس نے قرأت کا وقت نہیں پایا، جیسا کہ ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے، اتنے میں یہ آئے اور صف تک پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے رکوع کر لیا، پھر صف میں شامل ہوئے، آپ نے سلام پھیرنے کے بعد انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

"اللہ تمہارے شوق کو زیادہ کرے مگر آئندہ ایسا نہیں کرنا" (صحیح بخاری)

اس واقعہ میں آپ نے انہیں صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں جانے پر تنبیہہ فرمائی، مگر اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔

مذکورہ بالا روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام رکوع کی حالت میں ہو تو اسے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع نہیں کرنا چاہیئے' بلکہ اسے صبر و اطمینان کے ساتھ صف میں شامل ہونا چاہیئے' اگرچہ رکوع فوت ہو جائے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب نماز کے لئے آؤ تو سکون و وقار کے ساتھ چل کر آؤ' جو ملے پڑھ لو' اور جو چھوٹ جائے اسے پوری کرلو" (متفق علیہ)

رہی یہ حدیث کہ "جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت' اس کی قرأت ہے" تو یہ اہل علم کے نزدیک ضعیف اور ناقابل حجت ہے' اور اگر صحیح بھی مان لیں تو سورۂ فاتحہ کی قرأت اس سے مستثنیٰ ہوگی تاکہ حدیثوں کے درمیان تطبیق ہو جائے۔

رہا امام کا سورۂ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد مقتدیوں کے لئے سکتہ کرنا' تو میرے علم کے مطابق اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں' ان شاء اللہ مسئلہ میں وسعت ہے' سکتہ کرے یا نہ کرے' دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں' میرے علم کے مطابق اس سلسلہ میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے' البتہ آپ سے دو سکتے ثابت ہیں' ایک تکبیر تحریمہ کے بعد جس میں دعائے ثناء پڑھی جاتی ہے' اور دوسرا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد اور رکوع جانے سے پہلے' اور یہ ہلکا سا سکتہ ہے جو قرأت اور تکبیر کے درمیان فصل کرنے کے لئے ہوتا ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۳۹ :

صحیح حدیث میں پیاز' یا لہسن' یا گندنہ کھا کر مسجد آنے سے روکا گیا ہے' کیا اس حکم میں عام حرام و بدبودار چیزیں مثلاً بیڑی سگریٹ وغیرہ بھی داخل ہیں؟

اور کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ان میں سے کوئی چیز استعمال کر لی وہ جماعت سے پیچھے رہنے میں معذور ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں؟

جواب :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا :

"جو شخص پیاز یا لہسن کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے' بلکہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لے"

اور فرمایا :

"بیشک فرشتوں کو ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے"

اور ہر بدبودار چیز خواہ وہ بیڑی سگریٹ ہو' یا بغل کا پسینہ' یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز جس سے بغل والے آدمی کو تکلیف پہنچتی ہو اس کا حکم وہی ہے جو پیاز اور لہسن کا ہے' ایسی حالت میں اس کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے' یہاں تک کہ کوئی چیز استعمال کر کے اس بدبو کو دور کر دے' بلکہ استطاعت رکھنے کی صورت میں اس بدبو کا دور کرنا واجب ہے' تاکہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکے۔

رہا بیڑی سگریٹ کا استعمال تو یہ مطلق حرام ہے اور تمام اوقات میں اس سے پرہیز ضروری ہے' اس میں دینی' جسمانی اور مالی ہر طرح کے نقصانات موجود ہیں' اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے اور انہیں بھلائی کی توفیق دے۔

سوال ۴۰ :

صف کی ابتدا دائیں جانب سے کی جائے یا امام کے پیچھے سے؟ اور کیا

دائیں اور بائیں دونوں جانب سے صف کا اس طرح برابر ہونا ضروری ہے کہ اس کے لئے یہ کہا جائے کہ صفیں برابر کرلو' جیسا کہ بہت سے ائمہ کرتے ہیں؟

جواب :

صف کی ابتدا امام کے قریب بیچ سے کی جائے گی' اور صف کا دایاں جانب اس کے بائیں جانب سے افضل ہے' اگر صف کے دائیں جانب لوگ زیادہ ہیں تو کوئی حرج نہیں' دونوں جانب میں توازن قائم کرنا خلاف سنت ہے' البتہ صف بناتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جب پہلی صف مکمل ہو جائے تب دوسری صف' اور جب دوسری صف مکمل ہو جائے تب تیسری صف بنائی جائے' کیونکہ اگلی صف کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری صف کا بنانا درست نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

سوال ۴۱ :

متنفّل (نفل پڑھنے والے) کے پیچھے مفترض (فرض پڑھنے والے) کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :

متنفّل کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہے' اس میں کوئی حرج نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے صلاۃ خوف کی بعض صورتوں میں ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیرا' پھر دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیرا' پہلی دو رکعت آپ کے لئے فرض اور دوسری دو رکعت نفل تھی' اور دونوں

صورتوں میں آپ کے پیچھے مقتدی مفترض تھے۔

اسی طرح صحیحین میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتے' پھر اپنی قوم کے پاس واپس جاکر دوبارہ انہیں یہی نماز پڑھاتے تھے' یہ نماز ان کے لئے نفل اور لوگوں کے لئے فرض ہوتی تھی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان میں اس وقت مسجد میں آئے جب تراویح کی نماز شروع ہو چکی ہو اور اس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو' تو وہ عشاء کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی رکعتیں پوری کر لے' تاکہ اس طرح اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

سوال ۴۲ :

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟ اور اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور صف میں جگہ نہ پائے تو کیا کرے؟ اور کیا نابالغ بچے کے ساتھ وہ صف بنا سکتا ہے؟

جواب :

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا باطل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز نہیں"

آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہوکر نماز پڑھی' جب آپ کو معلوم ہوا تو اسے نماز دہرانے کا حکم دیا اور یہ نہیں پوچھا

کہ صف میں جگہ ملی یا نہیں- یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والا صف میں جگہ پائے یا نہ پائے دونوں صورتوں میں اس کا حکم یکساں ہے' تاکہ اس سلسلہ میں سستی و کاہلی کا سدباب ہو جائے۔

البتہ اگر کوئی شخص اس وقت پہنچا جب امام رکوع میں ہے' چنانچہ صف سے پہلے اس نے رکوع کرلیا' پھر سجدہ سے پہلے پہلے صف میں شامل ہوگیا تو یہ اس کے لئے کافی ہوگا' جیسا کہ صحیح بخاری میں ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک بار نماز کے لئے اس وقت پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے' چنانچہ صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرلیا' پھر صف میں شامل ہوئے' آپ نے سلام پھیرنے کے بعد انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

''اللہ تمہارے شوق کو زیادہ کرے مگر آئندہ ایسا نہ کرنا''

اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

لیکن اگر کوئی شخص اس وقت پہنچے جب امام نماز کی حالت میں ہو اور صف میں اسے کہیں کوئی جگہ نہ ملے تو وہ انتظار کرے' یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص آجائے' چاہے وہ سات سال یا اس سے زیادہ عمر کا بچہ ہی کیوں نہ ہو' پھر اس کے ساتھ صف بنالے' ورنہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔

یہی اس باب میں وارد تمام حدیثوں کا خلاصہ ہے' دعا ہے کہ اللہ تمام مسلمانوں کو دین کی سمجھ بوجھ عطا کرے' نیز اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ بیشک وہ سننے والا اور قریب ہے۔

سوال ۴۳ :

کیا امام کے لئے امامت کی نیت کرنا شرط ہے؟ اور اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور کسی شخص کو نماز پڑھتا ہوا پائے تو کیا وہ اس کے ساتھ شامل ہو جائے؟ اور کیا مسبوق کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست ہے؟

جواب :

امامت کے لئے نیت شرط ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہے"

اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور اس کی جماعت چھوٹ گئی ہو اور کسی دوسرے شخص کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے پائے' تو اس کے ساتھ مقتدی بن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ یہی افضل ہے' جیسا کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم ہو جانے کے بعد ایک شخص کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :

"کیا کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے"

ایسا کرنے سے دونوں کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی' لیکن جو نماز پڑھ چکا ہے اس کے لئے یہ نماز نفل ہو گی۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے' پھر اپنی قوم کے پاس واپس جا کر انہیں دوبارہ یہی نماز پڑھاتے تھے' یہ نماز ان کے لئے نفل اور لوگوں کے لئے فرض ہوتی تھی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے اسے برقرار رکھا۔

اسی طرح جس کی جماعت چھوٹ گئی ہو وہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے مسبوق کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتا ہے' اس میں کوئی حرج نہیں' اور مسبوق کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اپنی باقی نماز پورے کرلے' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد حدیثیں عام ہیں- اور یہ حکم تمام نمازوں کو عام ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں ایسے امراء و حکام ہوں گے جو نمازیں بے وقت پڑھیں گے تو انہیں حکم دیتے ہوئے فرمایا :

"تم نماز وقت پر پڑھ لیا کرنا' پھر اگر ان کے ساتھ نماز مل جائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لینا' یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی' مگر یہ نہ کہنا کہ میں نے تو نماز پڑھ لی ہے لہٰذا اب میں نہیں پڑھتا" واللہ ولی التوفیق-

سوال ۴۴ :

مسبوق نے جو رکعتیں امام کے ساتھ پائی ہیں' کیا یہ اس کی پہلی شمار کی جائیں گی یا آخری ؟ مثال کے طور پر اگر چار رکعت والی نماز میں سے دو رکعتیں فوت ہوگئی ہوں تو کیا وہ فوت شدہ دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھے گا؟

جواب :

صحیح بات یہ ہے کہ امام کے ساتھ مسبوق کو جتنی رکعتیں ملی ہیں وہ اس کی پہلی' اور جنہیں وہ بعد میں قضا کرے گا وہ اس کی آخری شمار کی جائیں گی' اور یہی حکم تمام نمازوں کا ہے- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب نماز کھڑی ہو جائے تو سکون و وقار کے ساتھ چلو' جو ملے اسے پڑھ لو'

اور جو چھوٹ جائے اسے پوری کرلو"(متفق علیہ)

بنا بریں چار رکعت والی نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں' اور مغرب کی تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پر اکتفاء کرنا مستحب ہے' جیسا کہ صحیحین میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی پڑھتے تھے اور پہلی رکعت کی قرأت دوسری کی بہ نسبت لمبی ہوتی تھی' اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

لیکن اگر کبھی کبھار ظہر کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھ لی جائے تو بھی درست ہے' صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں الم تنزیل السجدہ کے بقدر' اور آخری دو رکعتوں میں اس کی آدھی مقدار' نیز عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر' اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں اس کی آدھی مقدار تلاوت کرتے تھے۔

لیکن یہ حدیث اس بات پر محمول کی جائے گی کہ آپ ایسا کبھی کبھار کرتے تھے' تاکہ دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق ہو جائے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۴۵ :

جمعہ کے دن بعض مسجدوں میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ بعض لوگ امام کی اقتدا میں راستوں اور سڑکوں پر نماز پڑھتے ہیں' اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز کبھی تو نمازیوں کے اور مسجد کے درمیان کوئی سڑک وغیرہ حائل ہوتی ہے' اور کبھی کوئی فاصلہ نہیں ہوتا' کیا مذکورہ دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے یا کوئی فرق ہے؟

جواب :

اگر صفیں متصل ہوں اور ان کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں' اسی طرح اگر مسجد کے باہر والے مقتدی اپنے آگے کی صفوں کو دیکھ رہے ہوں' یا تکبیر کی آواز سن رہے ہوں' تب بھی کوئی حرج نہیں' بھلے ہی ان کے درمیان کوئی سڑک وغیرہ حائل ہو' کیونکہ جب وہ دیکھ کر یا سن کر باسانی امام کی اقتدا کر سکتے ہیں تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ البتہ امام سے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست نہیں' کیونکہ یہ مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۴۶ :

اگر کوئی شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو اس وقت اس کے لئے کیا مشروع ہے؟ کیا رکعت پانے کے لئے امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے اس کے لئے "سبحان ربی العظیم" کہنا شرط ہے؟

جواب :

مقتدی نے امام کو رکوع کی حالت میں پالیا تو اس کی یہ رکعت پوری ہو جائے گی' بھلے ہی وہ امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے "سبحان ربی العظیم" نہ کہہ سکے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث عام ہے :

"جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی" (صحیح مسلم)

اور یہ معلوم ہے کہ رکوع پا لینے سے رکعت پوری ہو جاتی ہے' جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک دن ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے' چنانچہ صف میں پہنچنے سے پہلے انہوں نے رکوع کر لیا' پھر صف میں شامل ہوئے۔ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :

"اللہ تمہارے شوق کو زیادہ کرے' مگر آئندہ ایسا نہیں کرنا"

آپ نے انہیں صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں جانے سے منع فرمایا' مگر اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔

پس جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے وہ جب تک صف میں نہ پہنچ جائے رکوع نہ کرے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۴۷ :

بعض ائمہ مسجد میں داخل ہونے والے کے رکعت پا لینے کا انتظار کرتے ہیں' جبکہ بعض یہ کہتے ہیں کہ انتظار مشروع نہیں' اس مسئلہ میں صحیح کیا ہے؟

جواب :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے تھوڑا سا انتظار کر لینا ہی درست ہے'

تاکہ بعد میں آنے والا صف میں شامل ہو جائے۔

سوال ۴۸ :

جب کوئی شخص دو یا دو سے زیادہ بچوں کی امامت کرے تو کیا انہیں اپنے پیچھے کھڑا کرے یا اپنے دائیں ؟ اور کیا بچوں کی صف بندی کے لئے بلوغت شرط ہے؟

جواب :

اگر ان بچوں کی عمر سات سال یا اس سے زیادہ ہے تو وہ انہیں بڑوں کی طرح اپنے پیچھے کھڑا کرے' اسی طرح اگر ایک بچہ اور ایک بالغ شخص ہو' تب بھی وہ انہیں اپنے پیچھے ہی کھڑا کرے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ کی نانی کی زیارت کے موقعہ پر جب انس اور ایک دوسرے یتیم بچے کو نماز پڑھائی تو ان دونوں کو اپنے پیچھے کھڑا کیا تھا' اسی طرح انصار کے دو بچے جابر اور جبار نے جب آپ کے ساتھ نماز ادا کی تو انہیں بھی آپ نے اپنے پیچھے ہی کھڑا کیا تھا۔

البتہ اگر ایک ہی شخص ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو گا خواہ وہ بالغ ہو یا بچہ' کیونکہ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رات کی نماز میں آپ کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تو آپ نے انہیں گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا تھا۔

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ بعض نفل نماز پڑھی تو آپ نے انہیں بھی اپنے دائیں جانب ہی کھڑا کیا تھا۔

لیکن اگر عورت ہے تو اسے بہرحال مردوں کے پیچھے ہی کھڑا ہونا ہے' خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ' کیونکہ عورت کے لئے امام کے ساتھ یا دیگر مردوں کے ساتھ صف

بنانا جائز نہیں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ اور ایک یتیم بچہ کو نماز پڑھائی تو انس کی ماں ام سلیم کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔

سوال ۴۹ :

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلی جماعت ختم ہو جانے کے بعد مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا جائز نہیں، کیا اس قول کی کوئی اصل ہے؟ اور اس مسئلہ میں درست کیا ہے؟

جواب :

میرے علم کے مطابق یہ قول نہ درست ہے اور نہ شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی اصل ہے، بلکہ صحیح حدیث اس کے برخلاف دلالت کرتی ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''جماعت کی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے''

اور فرمایا :

''آدمی کی کسی کے ساتھ والی نماز، اس کی تنہا نماز سے افضل ہے''

اسی طرح لوگوں کے نماز پڑھ لینے کے بعد جب آپ نے ایک شخص کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :

''کیا کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے''

لیکن کسی مسلمان کے لئے جماعت کی نماز سے پیچھے رہنا جائز نہیں، بلکہ اس کے اوپر واجب ہے کہ اذان سنتے ہی اس کی طرف سبقت کرے۔

سوال ۵۰ :

نماز کے دوران امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟ کیا وہ کسی کو اپنا قائم

مقام بنادے جو لوگوں کی نماز مکمل کرائے؟ یا سب کی نماز باطل ہو جائے گی اور وہ از سرنو کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دے؟

جواب :

ایسی صورت میں امام کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنا قائم مقام بنادے جو لوگوں کی نماز مکمل کرائے' جیساکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا' جب نماز کی حالت میں انہیں نیزہ مارا گیا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنادیا اور انہوں نے لوگوں کی نماز مکمل کرائی' اگر امام کسی کو آگے نہ بڑھا سکے تو لوگوں میں سے کسی کو خود آگے بڑھ کر باقی نماز پڑھادینی چاہیئے' اور اگر لوگوں نے نئے سرے سے نماز پڑھ لی تب بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے' لیکن راجح یہی ہے کہ امام کسی کو آگے بڑھادے' جیساکہ ابھی ہم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فعل ذکر کیا ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۱ :

کیا امام کے ساتھ صرف سلام پا لینے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی یا اس کے لئے کم ازکم ایک رکعت کا پانا ضروری ہے؟ اور اگر چند لوگ مسجد میں اس وقت پہنچیں جب امام آخری تشہد میں ہو' تو کیا ان کے لئے امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جانا افضل ہے یا امام کے سلام کا انتظار کرکے الگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا؟

جواب :

جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ایک رکعت کا پانا ضروری ہے' کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی" (صحیح مسلم)

لیکن اگر کسی شخص کے پاس کوئی شرعی عذر ہے تو اسے امام کے ساتھ نماز پڑھے بغیر بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو اللہ اس کے لئے وہی عمل لکھتا ہے جسے وہ اپنی صحت اور قیام کی حالت میں کیا کرتا تھا" (صحیح بخاری)

اور غزوہ تبوک کے موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا :

"بیشک مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جنہیں عذر نے روک رکھا ہے' تم نے جب بھی کوئی مسافت یا وادی طے کی ہے تو وہ تمہارے ساتھ رہے ہیں"

ایک دوسری روایت میں ہے :

"وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک رہے ہیں" (متفق علیہ)

جب لوگ امام کو آخری تشہد میں پائیں تو ان کے لئے امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جانا افضل ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث عام ہے :

"جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون و وقار کے ساتھ آؤ' جو ملے اسے پڑھ لو' اور جو چھوٹ جائے اسے پوری کرلو" (متفق علیہ)

لیکن اگر انہوں نے الگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تب بھی۔ ان شاء اللہ۔ کوئی حرج نہیں۔

سوال ۵۲ :

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ نماز فجر کی اقامت ہو جانے کے بعد مسجد آتے ہیں' تو پہلے فجر کی دو رکعت سنت پڑھتے ہیں پھر جماعت میں شامل ہوتے ہیں' تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا فجر کی چھوٹی ہوئی سنت نماز فجر کے فوراً بعد پڑھنا افضل ہے یا طلوع آفتاب کا انتظار کر لینے کے بعد؟

جواب :

جو شخص اقامت ہو جانے کے بعد مسجد میں آئے اس کے لئے کوئی سنت یا تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھنا جائز نہیں' بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب نماز کی اقامت ہو جائے تو اب اس فرض نماز کے علاوہ کوئی دوسری نماز نہیں" (صحیح مسلم)

اور یہ حدیث نماز فجر ہی نہیں بلکہ تمام نمازوں کو شامل ہے۔ فجر کی چھوٹی ہوئی سنت فرض نماز کے فوراً بعد' یا طلوع آفتاب کے بعد دونوں طرح پڑھی جا سکتی ہے' مگر بہتر یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھی جائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں صورتیں ثابت ہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۳ :

ایک شخص نے ہماری امامت کی اور صرف دائیں جانب سلام پھیرا' کیا ایک ہی سلام پر اکتفا کرنا جائز ہے؟ اور کیا حدیث میں اس سلسلہ میں کوئی چیز وارد ہے؟

جواب :

جمہور اہل علم کے نزدیک ایک سلام کافی ہے' کیونکہ بعض حدیثوں میں یہ چیز وارد ہے' لیکن علماء کی ایک جماعت کے نزدیک دو سلام ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں' اور آپ کا ارشاد ہے :

"تم اسی طرح نماز پڑھو جیسا مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے" (صحیح بخاری)

اور یہی دوسرا قول ہی درست ہے۔ رہا ایک سلام کے کافی ہونے کا قول تو یہ کمزور ہے' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد تمام حدیثیں ضعیف ہیں' نیز ان کی دلالت مبہم اور غیر واضح ہے' اور اگر انہیں صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ شاذ ہیں' کیونکہ یہ ان حدیثوں کی مخالف ہیں جو ان سے زیادہ صحیح' ثابت اور صریح ہیں' لیکن اگر کسی نے لا علمی و جہالت کی وجہ سے' یا اس سلسلہ میں وارد حدیثوں کو صحیح سمجھ کر ایسا کر لیا تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۴ :

ایک شخص امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا اور اسے دو رکعتیں ملیں' مگر بعد میں پتہ چلا کہ امام نے بھول کر پانچ رکعتیں پڑھا دی ہیں' تو کیا وہ امام کے ساتھ پڑھی ہوئی اس زائد رکعت کو شمار کر کے بعد میں صرف دو رکعت پوری کرے' یا اسے لغو سمجھ کر تین رکعت پڑھے؟

جواب :

درست یہ ہے کہ وہ اس کا شمار نہ کرے' کیونکہ یہ رکعت شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے' اور جسے معلوم ہو جائے کہ یہ رکعت زائد ہے وہ اس میں امام کی متابعت نہ

کرے' اور مسبوق بھی اس رکعت کا شمار نہ کرے۔

بنا بریں ایسے شخص پر تین رکعت کی قضا کرنا واجب ہے' کیونکہ در حقیقت اسے امام کے ساتھ ایک ہی رکعت ملی ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۵ :

کسی امام نے لوگوں کو بھول کر بے وضو نماز پڑھا دی' اور اسے نماز کے دوران یا سلام پھیرنے کے بعد' لوگوں کے منتشر ہونے سے پہلے' یا لوگوں کے منتشر ہو جانے کے بعد یاد آیا تو ان مذکورہ حالات میں اس نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :

اگر اسے سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا خواہ لوگ موجود ہوں یا منتشر ہو گئے ہوں تو لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی لیکن امام کو اپنی نماز دہرانا ہو گی۔

اور اگر اسے نماز کے دوران ہی یاد آگیا تو ایسی حالت میں علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق وہ کسی کو آگے بڑھا دے جو انہیں باقی نماز پڑھائے' جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا' چنانچہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی' اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

سوال ۵۶ :

جو شخص بیڑی سگریٹ پیتا یا داڑھی مونڈتا یا ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا کے رکھتا ہو یا اسی قسم کی اور کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

جواب :

اگر وہ اللہ کے مشروع کردہ طریقہ پر نماز ادا کرتا ہے تو اہل علم کے اجماع کے مطابق اس کی نماز درست ہے' نیز اگر وہ لوگوں کا امام ہے تو اس کی اقتدا میں پڑھنے والوں کی نماز بھی علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق درست ہے۔

رہا کافر شخص تو نہ تو خود اس کی نماز درست ہوگی اور نہ اس کی اقتدا میں پڑھنے والوں کی' کیونکہ نماز کی صحت کے لئے اسلام بنیادی شرط ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۷ :

یہ معلوم ہے کہ مقتدی اگر اکیلا ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو گا' تو کیا اس کے لئے امام سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا مشروع ہے' جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں؟

جواب :

مقتدی اگر اکیلا ہو تو اس کے لئے مشروع ہے کہ وہ امام کے دائیں جانب اس کے برابر میں کھڑا ہو' امام سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہونے کی کوئی دلیل نہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵۸ :

کسی کو نماز میں یہ شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار' تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

جواب :

شک کی حالت میں اسے یقین پر بنا کرنا چاہیئے اور وہ کمتر عدد ہے' یعنی مذکورہ

صورت میں تین رکعت مان کر ایک رکعت اور پڑھے' پھر سجدہ سہو کرکے سلام پھیرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے اور یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے یا چار' تو وہ شک کو چھوڑ کر یقین پر بنا کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدۂ سہو کرے' اگر اس نے پانچ پڑھ لی ہیں تو یہ دو سجدے مل کر چھ رکعتیں ہو جائیں گی' اور اگر چار ہی پڑھی ہیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی رسوائی کا سبب ہوں گے" (صحیح مسلم بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ)

لیکن اگر اسے مذکورہ دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کا غالب گمان ہے تو وہ اپنے گمان غالب پر اعتماد کرے اور سلام پھیرنے کے بعد دو سجدہ سہو کرے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو وہ صحیح پہلو کی جستجو کرکے اپنی نماز پوری کرلے' پھر سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دو سجدے کرلے" (صحیح بخاری بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

سوال ۵۹ :

بعض ائمہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرتے ہیں' اور بعض سلام پھیرنے سے پہلے' اور بعض کبھی سلام سے پہلے کرتے ہیں اور کبھی سلام کے بعد- سوال یہ ہے کہ سجدہ سہو کب سلام سے پہلے مشروع ہے اور کب سلام کے بعد ؟ نیز سلام سے پہلے یا سلام کے بعد سجدہ سہو کی مشروعیت بطور وجوب ہے یا بطور استحباب؟

جواب :

مسئلہ میں گنجائش ہے' سلام سے پہلے کی اور سلام کے بعد کی دونوں صورتیں صحیح ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح کی حدیثیں وارد ہیں' لیکن دو صورتوں کو چھوڑ کر باقی تمام صورتوں میں سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا افضل ہے' اور وہ دونوں صورتیں درج ذیل ہیں :

۱ - جب نمازی ایک یا ایک سے زیادہ رکعتیں بھول کر سلام پھیر دے' تو ایسی صورت میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے نماز کی کمی پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا افضل ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق دو رکعتیں بھول کر' اور عمران بن حصین کی حدیث کے مطابق ایک رکعت بھول کر جب سلام پھیر دیا تو نماز کی کمی پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا تھا۔

۲ - جب نمازی کو شک ہو جائے اور یہ یاد نہ رہے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار' اگر نماز چار رکعت والی ہے' یا دو پڑھی ہیں یا تین اگر نماز مغرب کی ہے' یا ایک پڑھی ہے یا دو اگر نماز فجر کی ہے' لیکن اسے مذکورہ دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کا غالب گمان ہے' تو ایسی صورت میں وہ اپنے گمان غالب پر اعتماد کر کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے' جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو جواب نمبر ۵۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

سلام سے پہلے یا سلام کے بعد سجدہ سہو کی یہ مشروعیت واجب نہیں' بلکہ فضیلت واستحباب کے طور پر ہے۔

سوال ۶۰ :

مسبوق سے اگر نماز میں بھول چوک ہو جائے تو کیا وہ سجدہ سہو کرے' اور کب کرے؟ نیز مقتدی سے اگر بھول چوک ہو جائے تو کیا اسے سجدۂ سہو کرنا ہے؟

جواب :

مقتدی سے اگر نماز میں کوئی بھول چوک ہو جائے اور شروع ہی سے وہ امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہے تو اسے سجدۂ سہو نہیں کرنا ہے' بلکہ اس کے اوپر امام کی اقتدا واجب ہے' لیکن جو مسبوق بعد میں جماعت میں شامل ہوا ہو وہ اپنی نماز کا فوت شدہ حصہ پورا کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے' جیسا کہ سوال نمبر ۵۸ اور ۵۹ کے جواب میں گذر چکا ہے' خواہ اس کی یہ بھول چوک امام کے ساتھ ہوئی ہو' یا بعد میں فوت شدہ نماز کی قضا کرنے کی حالت میں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶۱ :

اگر کسی نے چار رکعت والی نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھ دی' یا سجدہ میں قرأت کر دی' یا دونوں سجدوں کے درمیان ''سبحان ربی العظیم'' پڑھ دیا' یا سری نماز میں بلند آواز یا جہری نماز میں آہستہ قرأت کر دی' تو کیا ان حالات میں اس کے لئے سجدۂ سہو کرنا مشروع ہے؟

جواب :

اگر کسی نے چار رکعت والی نماز کی آخری دونوں رکعتوں میں یا ایک ہی رکعت

میں بھول کر ایک یا چند آیتیں یا کوئی سورت پڑھ دی تو اس کے لئے سجدۂ سہو مشروع نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ ظہر کی تیسری اور چوتھی رکعت میں بسا اوقات سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی پڑھ لیا کرتے تھے' نیز آپ نے اس امیر کی تعریف فرمائی جو اپنی نماز کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے' لیکن معمول کے مطابق آپ تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھتے تھے' جیسا کہ صحیحین میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔

اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک بار مغرب کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کی قرأت کی :

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴾ (سورۃ آل عمران : ۸)

ان ساری دلیلوں سے یہ ثابت ہوا کہ مسئلہ میں گنجائش ہے۔

اگر کسی نے رکوع یا سجود میں بھول کر قرآن کی قرأت کر دی تو اسے سجدۂ سہو کرنا ہے کیونکہ رکوع اور سجود میں عمداً قرآن کی قرأت جائز نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ لہذا اگر بھول سے کسی نے ایسا کر دیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے۔

اسی طرح اگر رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کے بجائے "سبحان ربی الاعلیٰ" یا سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" کے بجائے "سبحان ربی العظیم" کہہ دی تب بھی سجدہ سہو

واجب ہے' کیونکہ یہ تسبیحات واجب ہیں' اور واجب کے چھوٹنے پر سجدۂ سہو ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے رکوع اور سجود میں "سبحان ربی العظیم" اور "سبحان ربی الاعلیٰ" دونوں کہہ دیا تو سجدۂ سہو ضروری نہیں' اگر کرلیا تو کوئی حرج بھی نہیں' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد دلائل عام ہیں' یہ حکم امام' منفرد اور مسبوق کا ہے' لیکن جو مقتدی شروع ہی سے امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا اسے ان حالات میں سجدہ سہو نہیں کرنا ہے' بلکہ اس کے اوپر امام کی اقتدا واجب ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے سری نماز میں بلند آواز سے یا جہری نماز میں آہستہ سے قرأت کردی تب بھی سجدہ سہو ضروری نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سری نمازوں میں جہر فرماتے تھے' یہاں تک کہ لوگوں کو بعض آیتیں سنائی دیتی تھیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶۲ :

بعض لوگ جمع اور قصر کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں' یعنی یہ کہ بغیر قصر کے جمع نہیں اور بغیر جمع کے قصر نہیں' اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا مسافر کے لئے صرف قصر کرنا افضل ہے یا جمع اور قصر دونوں؟

جواب :

اللہ نے قصر صرف مسافر کے لئے مشروع کیا ہے' اور اس کے لئے جمع کرنا بھی جائز ہے' مگر دونوں میں کوئی تلازم نہیں' وہ بغیر جمع کے بھی قصر کرسکتا ہے' بلکہ اگر وہ کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے تو ایسی حالت میں جمع نہ کرنا ہی افضل ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں بغیر جمع کے قصر کیا' اور غزوۂ تبوک کے

موقعہ پر قصرو جمع دونوں کیا' پس معلوم ہوا کہ مسئلہ میں وسعت ہے' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفرمیں کہیں قیام پذیر نہیں ہوتے بلکہ چل رہے ہوتے تو جمع اور قصر دونوں کرتے تھے۔

رہا دو نمازوں کے مابین جمع کرنا' تو اس میں قصر کے بہ نسبت زیادہ گنجائش ہے' یہ جس طرح مسافر کے لئے جائز ہے اسی طرح مریض کے لئے' نیز بارش کے موقع پر مغرب و عشاء کے درمیان اور ظہر و عصر کے درمیان مسجدوں میں عام مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہے' مگر قصر صرف مسافر کے لئے خاص ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶۳ :

ایک شخص ابھی شہر ہی میں ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا' پھر وہ نماز ادا کئے بغیر سفر کے لئے نکل پڑا' تو کیا اس کے لئے قصراور جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایسے ہی ایک شخص نے ظہر و عصر کی نمازیں سفرمیں قصراور جمع کے ساتھ پڑھ لیں پھر وہ عصر کے وقت ہی میں شہر پہنچ گیا' تو کیا اس کا یہ فعل درست ہے' جبکہ قصراور جمع کرتے وقت اسے یہ معلوم تھا کہ وہ دوسری نماز کے وقت میں شہر پہنچ جائے گا؟

جواب :

اگر کوئی شخص ابھی شہر ہی میں ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا اور نماز پڑھے بغیر کوچ کر دیا تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق شہر کی آبادی سے الگ ہونے کے بعد اس کے لئے قصر کرنا مشروع ہے' اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اسی طرح جس نے سفرمیں دو نمازیں قصراور جمع کے ساتھ پڑھ لیں' پھر وہ دوسری

نماز کا وقت ہونے سے پہلے' یا اس کے وقت ہی میں شہر پہنچ گیا تو اب اسے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں' کیونکہ وہ شرعی طریقہ پر نماز ادا کر چکا ہے' اور اگر لوگوں کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لی تو یہ اس کے لئے نفل ہو جائے گی' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶۴ :

جس سفر میں قصر کرنا جائز ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کی مسافت کی کوئی مقدار متعین ہے؟ اور اگر کوئی شخص اپنے سفر میں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا وہ قصر کی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

جواب :

جس سفر میں قصر کرنا جائز ہے اس کی مقدار جمہور اہل علم کے نزدیک اونٹ اور پیدل کی رفتار سے ایک دن اور ایک رات ہے' جو تقریباً اسی کلومیٹر ہوتا ہے' کیونکہ عرف عام میں کم از کم اتنی ہی مسافت پر سفر کا اطلاق ہوتا ہے۔

جمہور اہل علم کے نزدیک اگر کوئی شخص سفر میں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر پوری نماز پڑھنا' اور اگر رمضان کا مہینہ ہے تو روزہ رکھنا واجب ہے' اس کے برعکس اگر قیام کی مدت اس سے کم ہے تو قصر' جمع اور افطار سب اس کے لئے جائز ہیں' کیونکہ مقیم کے حق میں اصل اتمام (پوری نماز پڑھنا) ہی ہے' قصر تو در حقیقت اس کے لئے اس وقت کے لئے مشروع ہے جب وہ سفر شروع کر دے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں چار دن قیام کیا اور اس دوران قصر کے ساتھ نماز پڑھتے رہے' پھر منیٰ اور عرفات کی طرف

روانہ ہوئے، آپ کا یہ فعل واضح دلیل ہے کہ جس شخص کا ارادہ چار دن یا اس سے کم قیام کا ہو اس کے لئے قصر کرنا جائز ہے۔

رہا فتح مکہ کے سال آپ کا انیس دن، اور غزوہ تبوک کے موقع پر بیس دن کا قیام اور اس دوران نماز قصر کرنا، تو جمہور اہل علم کے نزدیک دین کے لئے احتیاط اور اصل حکم (یعنی مقیم کے لئے ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعت کی فرضیت) پر عمل کے پیش نظر اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ کا ارادہ پہلے سے اتنی مدت کے لئے قیام کا نہیں تھا، بلکہ ایک ایسے سبب کی بنا پر آپ نے قیام کیا جس کی مدت نا معلوم تھی۔

لیکن اگر کسی کا قیام کا ارادہ نہیں ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ وہاں سے کب کوچ کرے گا، تو جب تک وہ اپنے وطن واپس نہ آ جائے اس کے لئے قصر، جمع اور افطار سب جائز ہے، بھلے ہی اس کے قیام کی مدت چار دن سے زیادہ ہو جائے، واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶۵ :

آج کل شہروں میں بارش کے موقع پر مغرب و عشاء کے درمیان جمع کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جب کہ سڑکیں اور راستے روشن اور ہموار ہیں، اور مسجد جانے میں نہ تو کوئی دشواری ہے نہ کیچڑ؟

جواب :

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق بارش کے موقع پر مغرب و عشاء کے درمیان، اور ظہر و عصر کے درمیان جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بارش ایسی ہو جس

میں مسجد جانے میں دشواری ہو' اسی طرح اس وقت بھی جمع کرنا جائز ہے جب راستے میں کیچڑ اور سیلاب ہو' کیونکہ یہ مشقت کا سبب ہیں' اور اس کی دلیل صحیحین کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مدینہ میں ظہر و عصر کے درمیان اور مغرب و عشاء کے درمیان جمع کیا' اور صحیح مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ ہے : "بغیر کسی خوف' یا بارش' یا سفر کے"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ بات معروف تھی کہ بارش اور خوف بھی سفر کی طرح دو نمازوں کے درمیان جمع کرنے کے لئے عذر ہیں' البتہ حالت قیام میں صرف جمع کرنا جائز ہے قصر نہیں' کیونکہ قصر مسافر کے لئے خاص ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ٦٦ :

کیا دو نمازوں کے درمیان جمع کرنے کے لئے نیت شرط ہے؟ کیونکہ بہت سے لوگ جمع کی نیت کے بغیر مغرب کی نماز ادا کر لیتے ہیں' پھر باہم مشورہ کر کے بطور جمع عشاء کی نماز پڑھتے ہیں؟

جواب :

اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے' لیکن راجح یہ ہے کہ پہلی نماز شروع کرتے وقت نیت شرط نہیں ہے' لہذا پہلی نماز سے فارغ ہونے کے بعد جمع کرنا جائز ہے بشرطیکہ خوف' بیماری' یا بارش میں سے کوئی سبب موجود ہو' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ٦٧ :

کیا دو نمازوں کے درمیان جمع کرتے وقت تسلسل ضروری ہے؟ کیونکہ

بعض لوگ نمازوں کے درمیان جمع کرنے کے لئے تھوڑا سا انتظار کرتے ہیں پھر جمع کرتے ہیں' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

جمع تقدیم کی صورت میں دونوں نمازوں کے درمیان تسلسل ضروری ہے' اگر تھوڑا سا فاصلہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیز ثابت ہے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"

اور صحیح بات یہ ہے کہ جمع کے لئے نیت شرط نہیں۔ جیسا کہ جواب نمبر ٦٦ میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔

رہا جمع تاخیر' تو اس میں گنجائش ہے کیونکہ اس صورت میں دوسری نماز اپنے وقت پر پڑھی جاتی ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں تسلسل سے پڑھنا افضل ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ٦٨ :

اگر ہم سفر میں ہوں اور ظہر کے وقت ہمارا گذر کسی مسجد سے ہو' تو کیا ہم ظہر کی نماز اس مسجد کی جماعت کے ساتھ پڑھیں اور پھر عصر کی نماز الگ قصر کے ساتھ پڑھیں' یا ہم اپنی دونوں نمازیں الگ پڑھیں' ہمارے لئے مستحب کیا ہے؟ اور اگر ہم نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو کیا تسلسل قائم رکھنے کے لئے سلام پھیرنے کے بعد فوراً عصر کی نماز کے لئے کھڑے ہوں

گے' یا ذکر اور تسبیح و تہلیل سے فارغ ہونے کے بعد پڑھیں گے؟

جواب :

افضل یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی نمازیں الگ قصر کے ساتھ پڑھیں' کیونکہ مسافر کے لئے چار رکعت والی نماز میں قصر کرنا ہی سنت ہے' اور اگر آپ مقیم لوگوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو پوری نماز پڑھنا ضروری ہے' جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے' اور اگر آپ کا ارادہ جمع کرنے کا ہے تو سنت پر عمل کرتے ہوئے تین بار ''استغفر اللہ'' اور ''اللھم انت السلام ومنک السلام' تبارکت یا ذاالجلال و الاکرام'' پڑھنے کے بعد فوراً اس کے لئے کھڑا ہو جانا مشروع ہے' جیسا کہ جواب نمبر ۶۷ میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سفر میں اکیلا ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کی جماعت کے ساتھ پوری نماز پڑھے' کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے اور نماز کا قصر مستحب ہے اور واجب کو مستحب پر مقدم کرنا ضروری ہے' وباللہ التوفیق۔

سوال ۶۹ :

مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز اور مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور کیا مسافر کے لئے ایسی حالت میں قصر کرنا درست ہے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی؟

جواب :

مقیم کے پیچھے مسافر کی نماز ہو' یا مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز' دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں' لیکن اگر مسافر مقتدی' اور مقیم امام ہو تو مسافر کو امام کی اقتدا میں

پوری نماز پڑھنا ضروری ہے' جیسا کہ مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے مقیم کے پیچھے مسافر کی چار رکعت نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہی سنت ہے۔

اگر مقیم مقتدی' اور مسافر امام ہو تو ایسی صورت میں مسافر چار رکعت والی نمازیں قصر کرے گا اور مقیم سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی نماز پوری کرے گا۔

سوال ۷۰ :

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بارش کے موقع پر مغرب و عشاء کے درمیان جمع کرتے وقت بعض لوگ کچھ دیر سے اس وقت آتے ہیں جب امام عشاء کی نماز میں ہوتا ہے' پھر مغرب کی نماز سمجھ کر وہ جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں' اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟

جواب :

انہیں چاہیئے کہ تیسری رکعت کے بعد بیٹھ جائیں' اور تشہد اور دوسری دعائیں پڑھیں' اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیریں' پھر اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھیں' تاکہ نمازوں کی ترتیب جو واجب ہے باقی رہے اور جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

اور اگر ان کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہو تو وہ امام کے ساتھ باقی نماز مغرب کی نیت سے پڑھ لیں' یہی ان کے لئے مغرب کے قائم مقام ہو جائے گی' اگر ایک سے زیادہ رکعتیں چھوٹی ہوئی ہیں تو امام کے ساتھ جتنی ملے وہ پڑھ لیں اور جو چھوٹ گئی ہیں ان کی قضا کرلیں۔

اسی طرح اگر انہیں یہ معلوم بھی ہو کہ امام عشاء کی نماز میں ہے تب بھی وہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق امام کے ساتھ مغرب کی نیت سے شامل ہو جائیں اور بعد میں عشاء کی نماز پڑھ لیں۔

سوال ۷۱ :

سفر میں قصر کرتے وقت سنن موکدہ پڑھی جائیں یا نہ پڑھی جائیں' اس سلسلہ میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں' بعض کا کہنا ہے کہ ان کا پڑھنا مستحب ہے' جب کہ بعض کی رائے ہے کہ جب فرض نماز کم کر دی گئی تو اب انہیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں' اس سلسلہ میں اور اسی طرح مطلق نفل نماز جیسے نماز تہجد کے سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب :

مسافر کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ ظہر' مغرب اور عشاء کی سنتیں چھوڑ دے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں فجر کی سنت پڑھے۔

اسی طرح سفر میں تہجد اور وتر بھی اس کے لئے مشروع ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ اور یہی حکم تمام مطلق اور سبب والی نفل نمازوں کا بھی ہے' جیسے چاشت کی نماز' تحیۃ الوضو' اور نماز کسوف وغیرہ۔ اسی طرح سجدہ تلاوت اور جب مسجد میں نماز یا کسی اور غرض سے داخل ہو تو تحیۃ المسجد بھی مشروع ہیں۔

سوال ۷۲ :

کیا سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت شرط ہے؟ اور نماز کی حالت میں ہو یا نماز

سے باہر کیا سجدہ میں جاتے وقت' اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا مشروع ہے؟ اور اس سجدہ میں کیا پڑھا جائے گا؟ نیز وہ دعا جو اس سلسلہ میں وارد ہے کیا صحیح ہے؟ اور اگر یہ سجدہ نماز سے باہر ہو تو کیا سجدہ سے اٹھنے کے بعد سلام پھیرنا مشروع ہے؟

جواب :

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق سجدہ تلاوت کے لئے طہارت شرط نہیں' اور نہ اس میں سلام پھیرنا ہے اور نہ ہی سجدہ سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا ہے' البتہ سجدہ جاتے وقت تکبیر کہنا مشروع ہے' جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے۔

لیکن اگر سجدہ تلاوت نماز میں ہو تو سجدہ جاتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا واجب ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے تھے' اور آپ کا ارشاد ہے :

''تم نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے'' (صحیح بخاری)

سجدۂ تلاوت میں وہی دعائیں پڑھی جائیں گی جو نماز کے سجدوں کے لئے مشروع ہیں' کیونکہ اس سلسلہ میں وارد حدیثیں عام ہیں' انہی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے :

"اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ' وَبِكَ آمَنْتُ' وَلَكَ اَسْلَمْتُ' سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَ صَوَّرَهُ وَ شَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ ' فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ"

"الٰہی تیرے ہی لئے میں نے سجدہ کیا' تجھی پر ایمان لایا اور تیری ہی میں نے تابعداری کی' میرے چہرے نے اس ہستی کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا' اسے اچھی صورت عطا کی' اور اپنی طاقت و قدرت سے اس میں کان اور آنکھیں بنائیں' اللہ کی ذات بابرکت ہے جو بہترین تخلیق کرنے والا ہے"

صحیح مسلم میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا نماز کے سجدہ میں پڑھتے تھے' اور ابھی یہ بات گذر چکی ہے کہ سجدۂ تلاوت میں وہی دعائیں مشروع ہیں جو نماز کے سجدے میں مشروع ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سجدۂ تلاوت میں یہ دعا پڑھتے تھے :

" اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِها عِنْدَكَ اَجْرًا ' وَامْحُ عَنِّي بِهَا وِزْراً ' وَ اجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا ' وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامِ"

"الٰہی تو اس سجدہ کے بدلے میرے نامۂ اعمال میں نیکی لکھ دے' میرے گناہ کو مٹا دے' اسے میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ کر دے' اور تو مجھ سے اسے اسی طرح قبول کر لے جس طرح تو نے اپنے بندہ داؤد علیہ السلام سے قبول کیا ہے"

سجدۂ تلاوت میں نماز کے سجدوں کی طرح "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا واجب ہے' اور اس کے علاوہ دوسری دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔ سجدۂ تلاوت نماز میں ہو یا نماز سے باہر سنت ہے واجب نہیں' جیسا کہ زید بن ثابت اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۴۷ :

بسا اوقات نماز عصر کے بعد سورج میں گرہن لگ جاتا ہے' تو کیا ممنوع اوقات میں نماز کسوف اور اسی طرح تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھنا درست ہے؟

جواب :

مذکورہ دونوں مسئلوں میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے' مگر راجح اور درست قول یہ ہے کہ پڑھنا جائز ہے' کیونکہ نماز کسوف اور تحیۃ المسجد سبب والی نمازوں میں سے ہیں جو دیگر اوقات کی طرح نماز عصر اور نماز فجر کے بعد ممنوع اوقات میں بھی مشروع ہیں' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عام ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''بیشک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کے موت و حیات سے ان میں گرہن نہیں لگتا ہے' تو جب تم ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو' یہاں تک کہ تمہارے اوپر سے یہ کیفیت دور ہو جائے'' (متفق علیہ)

اور فرمایا :

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے'' (متفق علیہ)

یہی حکم طواف کی دو رکعتوں کا بھی ہے جب کوئی شخص نماز فجر اور نماز عصر کے بعد خانۂ کعبہ کا طواف کرے' جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''اے عبد مناف کے بیٹو ! رات ہو یا دن جس وقت بھی کوئی شخص اس گھر کا طواف کرنا اور نماز ادا کرنا چاہے اسے مت روکو'' (اس حدیث کو امام احمد اور

اصحاب سنن اربعہ نے صحیح سند کے ساتھ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے)

سوال ۴۷ :

جن احادیث میں نماز کے آخر میں ذکر و دعا کی ترغیب آئی ہے وہاں "دبر" کا لفظ استعمال ہوا ہے' سوال یہ ہے کہ "دبر" سے کیا مراد ہے' کیا سلام پھیرنے سے پہلے نماز کا آخری حصہ یا سلام پھیرنے کے بعد؟

جواب :

دبر کا اطلاق کبھی سلام کے پہلے نماز کے آخری حصہ پر' اور کبھی سلام پھیرنے کے فوراً بعد پر ہوتا ہے' جیساکہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے' مگر اکثر حدیثیں جو دعا کے تعلق سے وارد ہیں ان میں دبر سے مراد سلام کے پہلے نماز کا آخری حصہ ہے' مثلاً عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے تشہد سکھلاتے ہوئے فرمایا :

"پھر وہ اپنی پسند کی کوئی دعا اختیار کرے اور مانگے"

اور ایک حدیث میں یوں ہے :

"پھر وہ جو مانگنا چاہے مانگے" (متفق علیہ)

اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی' جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :

"اے معاذ ! تم ہر نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھنا نہ بھولو "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ" اے اللہ ! تو اپنے ذکر' شکر اور اپنی

اچھی عبادت کی مجھے توفیق عطا فرما" (ابوداود' ترمذی' نسائی بسند صحیح)

اسی طرح سعد بن ابی وقاص کی حدیث جس میں بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے :

"اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخلِ' وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الجُبنِ' وَاَعُوذُبِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ' وَاَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

"الٰہی میں بخل سے' بزدلی سے' گھٹیا عمر سے' دنیا کی آزمائش سے' اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں" (صحیح بخاری)

رہے اس موقع پر وارد اذکار' تو صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ یہ سلام پھیرنے کے بعد پڑھے جائیں گے' اور یہ اذکار درج ذیل ہیں :

"اَستَغْفِرُ اللّٰهَ' اَستَغْفِرُ اللّٰهَ' اَستَغْفِرُ اللّٰهَ' اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلامُ' وَمِنْكَ السَّلامُ' تَبَارَكْتَ يَا ذَاالْجَلاَلِ وَ الاِكْرَامِ"

"میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں' اے اللہ ! تو سلامتی والا ہے' اور تجھی سے سلامتی ہے' تو برکت والا ہے اے عظمت و جلال والے !

یہ ذکر امام' مقتدی اور منفرد سب پڑھیں گے' مگر امام یہ دعا پڑھنے کے بعد اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف کرلے گا' اور اس کے بعد درج ذیل اذکار پڑھے جائیں :

"لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ' وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ' لَهُ الملكُ وَلَهُ الحمدُ' وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ' لا حَولَ وَلا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰهِ' لاَ اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ' وَلا نَعْبُدُ اِلا اِيَّاهُ' لَهُ النِّعْمَةُ وَ لَهُ الْفَضْلُ وَ لَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ' لآاِلٰهَ اِلا اللّٰهُ' مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَو كَرِهَ الْكَافِرُونَ' اَللّٰھُمَّ لا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيتَ' وَلا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ' وَلا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ"

"اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کی تعریف' اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے' اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت اور قوت کارگر نہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں' نعمت و فضل اسی کا ہے' اور اسی کے لئے عمدہ تعریف' اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' ہماری عبادت اسی کے لئے خالص ہے' اگرچہ کافروں کو ناگوار لگے' الٰہی ! جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں' اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں' اور کسی مالدار کو اس کا مال تیرے عذاب سے بچا نہیں سکتا"

مذکورہ بالا اذکار کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے مستحب ہے' پھر اس کے بعد تینتیس بار "سبحان اللہ"' تینتیس بار "الحمد للہ"' تینتیس بار "اللہ اکبر"' اور آخر میں ایک بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر کہے' یہ سارے اذکار صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔

اس کے بعد ہر فرض نماز کے بعد ایک ایک بار آیت الکرسی' "قل ھو اللہ احد"' "قل اعوذ برب الفلق"' "قل اعوذ برب الناس" آہستہ آواز سے پڑھنا مستحب ہے' مگر فجر اور مغرب کی نمازوں میں مذکورہ بالا تینوں سورتوں کا تین تین بار پڑھنا مستحب ہے' اسی طرح مغرب اور فجر کی نمازوں کے بعد "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد' یحی و یمیت و ھو علی کل شئی قدیر" کا آیت الکرسی اور تینوں سورتوں کے پہلے دس دس بار پڑھنا مستحب ہے' جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۷۵ :

فرض نمازوں کے بعد ایک مخصوص طریقہ پر اجتماعی ذکر کا کیا حکم ہے' جیسا

کہ بعض لوگ کرتے ہیں؟ اور کیا بلند آواز سے ذکر کرنا مسنون ہے یا آہستہ سے؟

جواب :

پنجوقتہ نمازوں اور نماز جمعہ سے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مسنون ہے' جیساکہ صحیحین میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عہد نبوی میں لوگ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرتے تھے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں لوگوں کے ذکر کی آواز سن کر یہ جان لیتا تھا کہ نماز ختم ہو چکی ہے۔

رہا اجتماعی طور پر اس طریقہ سے ذکر کرنا کہ شروع سے آخر تک ہر شخص اپنی آواز دوسرے کی آواز سے ملا کر رٹ لگائے تو اس کی کوئی اصل نہیں' بلکہ یہ کام بدعت ہے' مشروع یہ ہے کہ سب لوگ اللہ کا ذکر کریں مگر شروع میں یا آخر میں آواز کو ملانے کا قصد نہ ہو' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ٧٦ :

کوئی شخص بھول کر نماز میں بات کرلے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب :

اگر کوئی شخص بھول کر یا جہالت ولاعلمی کی بنا پر نماز میں بات کرلے تو اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' خواہ فرض نماز ہو یا نفل' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾

(سورۃ البقرہ : ٢٨٦)

اے ہمارے رب ! ہم اگر بھول گئے' یا غلط کر بیٹھے تو اس پر ہماری گرفت نہ فرما۔

اور صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا :

"میں نے تمہاری بات قبول کرلی"

نیز صحیح مسلم میں معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار انہوں نے لاعلمی کی بنا پر نماز کی حالت میں کسی چھینکنے والے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہہ دیا تو ان کے آس پاس کے لوگوں نے اشاروں سے ان کے اس فعل کی تردید کی' جب انہوں نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے انہیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا' اور بھولنے والا نہ جاننے والے ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے' اور اس لئے بھی کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر نماز میں بات کی اور نماز کو نہیں دہرایا' بلکہ اسی نماز کو مکمل فرمالیا جیسا کہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذوالیدین صحابی کے واقعہ میں موجود ہے' نیز صحیح مسلم میں عمران بن حصین اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔

رہا نماز کے دوران اشارہ کرنا' تو اگر ضرورت پر ایسا کرلے تو کوئی حرج نہیں' واللہ ولی التوفیق۔
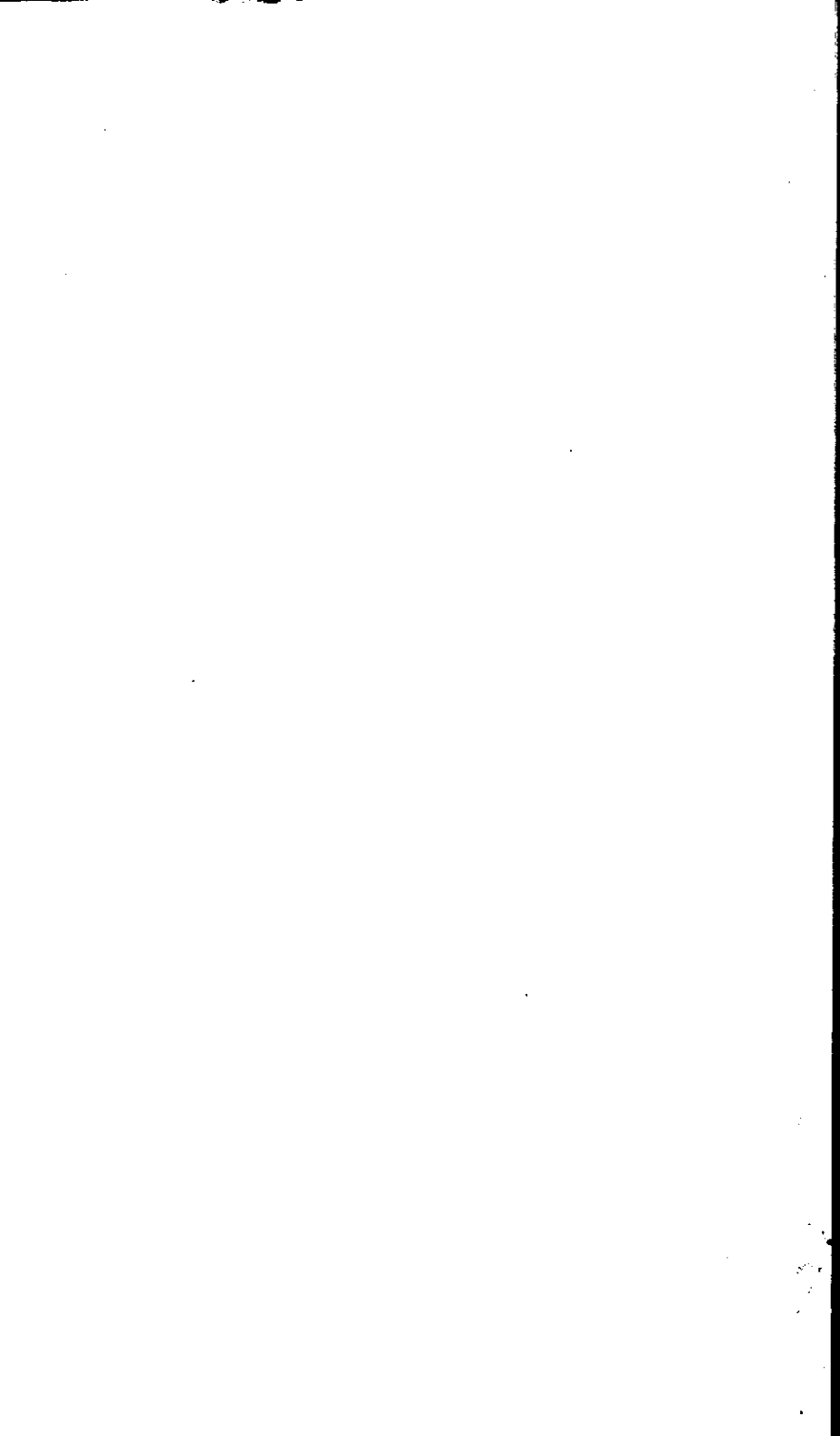
سوال ۱ :

تارک زکاۃ کا کیا حکم ہے ؟ اور کیا زکاۃ کا منکر ہو کر زکاۃ نہ دینے' اور بخل و کنجوسی کی وجہ سے زکاۃ نہ دینے' اور غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے زکاۃ نہ دینے کی صورتوں میں فرق ہے ؟

جواب :

بِسْمِ اللّٰهِ' وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ' وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ' وَعَلٰی آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ' وَ بَعْدُ :

تارک زکاۃ کے حکم کے بارے میں قدرے تفصیل ہے جو یہ ہے :

تارک زکاۃ اگر زکاۃ کے وجوب کا منکر ہے اور اس کے اوپر زکاۃ واجب ہونے کی شرطیں پائی جا رہی ہیں تو وہ متفقہ طور پر کافر ہے' اگر وہ زکاۃ کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے زکاۃ دیدے تو بھی اس کا یہی حکم ہے' اور اگر کوئی شخص بخل و کنجوسی یا غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے زکاۃ نہیں ادا کرتا تو وہ فاسق اور ایک عظیم کبیرہ گناہ کا مرتکب شمار ہوگا' اور اسی حال میں اگر اس کی موت آگئی تو اللہ کی مشیت کے تحت ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾

(سورۃ النساء : ۴۸)

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کو کبھی معاف نہیں کرے گا' البتہ اس کے علاوہ گناہ جس کے لیے چاہے معاف کر سکتا ہے۔

قرآن کریم نیز سنت مطہرہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن تارک

زکاۃ کو اسی مال کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا جس کی اس نے زکاۃ نہیں دی تھی' پھر اسے جنت یا جہنم کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو زکاۃ کے وجوب کا منکر نہ ہو' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴾ (سورۃ التوبہ : ۳۴'۳۵)

جو لوگ سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیدو' جس دن ان کا جمع کردہ مال جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اسی سے ان کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہی مال ہے جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے' تو اپنے جمع کئے ہوئے کا مزہ چکھو۔

سونے اور چاندی کی زکاۃ نہ دینے والے کے حق میں قرآن کریم کا جو فیصلہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں' نیز اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کے پاس چوپائے' اونٹ' گائے اور بکریاں ہوں اور وہ ان کی زکاۃ نہ دے تو اسے قیامت کے دن انہی چوپایوں کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا۔

سامان تجارت اور کاغذ کی کرنسیوں کی زکاۃ نہ دینے والے کا حکم بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کی زکاۃ نہ دینے والے کا ہے' کیونکہ یہی اب سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں۔

رہے وہ لوگ جو زکاۃ کے وجوب ہی کے منکر ہوں تو وہ کافروں کے حکم میں ہیں' قیامت کے دن کفار کے ساتھ ان کا حشر ہو گا اور انہی کے ساتھ وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے' اور ان کا عذاب بھی دیگر کفار کی طرح دائمی اور ابدی ہو گا' کیونکہ ان کے اور انہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ ٱللَّهُ أَعْمَـٰلَهُمْ حَسَرَٰتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُم بِخَـٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ ﴾
(سورۃ البقرہ : ۱۶۷)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال دکھلائے گا جو ان کے لیے افسوس ہی افسوس ہوں گے اور انہیں جہنم سے نکلنا نصیب نہ ہو گا۔

اور فرمایا :

﴿ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا۟ مِنَ ٱلنَّارِ وَمَا هُم بِخَـٰرِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴾
(سورۃ المائدہ : ۳۷)

وہ چاہیں گے کہ جہنم کی آگ سے نکل جائیں' حالانکہ وہ اس میں سے نکلنے نہ پائیں گے' اور ان کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے۔

سوال ۲ :

ایک شخص کے پاس کئی قسم کے جانور ہیں' لیکن کسی ایک قسم کے جانور تنہا نصاب زکاۃ کو نہیں پہنچتے' کیا ایسی صورت میں ان جانوروں کی زکاۃ نکالی جائے گی؟ اور اگر نکالی جائے تو اس کی کیا کیفیت ہو گی؟

جواب :

جانوروں ۔ اونٹ اور گائے اور بکری ۔ کا نصاب مقرر ہے' ان جانوروں میں زکاۃ

واجب ہونے کے لیے ان کا مقررہ نصاب تک پہنچنا ضروری ہے' ساتھ ہی دیگر شرطوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے' ان شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ یہ جانور' اونٹ' گائے اور بکری سائمہ ہوں' یعنی پورے سال یا سال کے بیشتر حصہ باہر چر کر پیٹ بھرتے ہوں' اونٹ یا گائے یا بکری اگر مقدار نصاب کو نہ پہنچیں تو ان میں زکاۃ واجب نہیں' اور نہ ہی ایک قسم کے جانور کو دوسرے قسم کے جانور کے ساتھ ملایا جائے گا۔ مثلاً کسی کے پاس تین پالتو اونٹ' بیس پالتو بکریاں اور بیس پالتو گائیں ہوں تو کسی قسم کے جانور کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملائے گا' کیونکہ ان میں سے کوئی بھی قسم نصاب تک نہیں پہنچتی ہے۔

لیکن یہی جانور اگر تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں تو سب کو ایک ساتھ ملا کر ان کی زکاۃ سونے چاندی کے نصاب کے مطابق ادا کی جائے گی' کیونکہ مذکورہ صورت میں وہ سامان تجارت شمار ہوں گے' جیسا کہ اہل علم نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے' اور غور کرنے والے کے لیے اس باب میں دلائل بھی واضح ہیں۔

سوال ۳ :

کیا یہ جائز ہے کہ زکاۃ کی وجہ سے دو یا تین آدمی اپنے اپنے مویشی باہم ملا لیں؟

جواب :

زکاۃ سے بھاگنے کے لیے یا مقدار واجب سے کم دینے کے لیے زکاۃ کے مال کو ایک ساتھ ملا لینا یا الگ کر دینا جائز نہیں' صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"صدقہ کے ڈر سے الگ الگ مال کو اکٹھا نہ کیا جائے اور یکجا مال کو الگ نہ کیا جائے" (صحیح بخاری)

لہٰذا کسی کے پاس اگر چالیس بکریاں ہوں اور زکاۃ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ انہیں الگ الگ کر دے تو زکاۃ اس سے ساقط نہیں ہوگی' بلکہ اللہ کے مقرر کردہ فریضہ کو ساقط کرنے کی حیلہ جوئی کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار بھی ہوگا۔

اسی طرح زکاۃ کے ڈر سے الگ الگ مال کو اکٹھا کرنا بھی جائز نہیں' مثلاً کسی کے پاس بکریاں یا اونٹ یا گائیں ہوں جو نصاب زکاۃ کو پہنچ گئی ہوں' اور وہ انہیں دوسرے کی بکریوں یا اونٹ یا گایوں کے ساتھ ملا دے' تاکہ ان دونوں کو کم مقدار میں زکاۃ دینی پڑے' یعنی ان دونوں اشخاص کا اپنے اپنے مال کو باہم ملا لینا کسی معقول بنیاد پر نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ زکاۃ کے محصل کے آنے کی صورت میں ان پر کم مقدار میں زکاۃ واجب ہو' تو ایسی صورت میں ان سے واجبی زکاۃ ساقط نہیں ہوگی' بلکہ اس حیلہ کے سبب وہ دو کے دونوں گنہگار ہوں گے اور انہیں پوری زکاۃ نکالنی ہوگی۔

مثلاً ایک شخص کے پاس چالیس بکریاں تھیں اور دوسرے کے پاس ساٹھ بکریاں' محصل کے آنے پر دونوں نے اپنی اپنی بکریاں ملا لیں' تاکہ زکاۃ میں صرف ایک بکری واجب ہو' تو ایسا کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا' اور نہ ہی ان سے باقی واجب ساقط ہوگا' کیونکہ یہ حرام حیلہ ہے' بلکہ انہیں زکاۃ میں ایک دوسری بکری نکال کر فقراء کو دینی ہوگی' اور اس بکری کے پانچ حصوں میں سے دو حصے (۵ / ۲) چالیس بکری والے کے ذمہ ہوں گے اور تین حصے (۵ / ۳) ساٹھ بکری والے کے ذمہ۔ اسی طرح جو بکری انہوں نے محصل کے حوالہ کی ہے وہ بھی اسی حساب سے تقسیم ہوگی۔ ساتھ ہی

ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ اور آئندہ اس طرح کے حیلے بہانے نہ کرنے کا عہد کرنا ہوگا۔

لیکن اگر دو شخص باہمی تعاون کے لیے اپنے اپنے مال ملا لیں، کسی واجب کے ساقط کرنے یا مقدار واجب کو کم کرنے کا حیلہ بہانہ ان کے پیش نظر نہ ہو، تو ایسا کر لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ شرکت کے جو شروط و ضوابط اہل علم کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ پورے ہو رہے ہوں، کیونکہ مذکورہ بالا صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"جو مال دو شریکوں کے درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر، برابر اپنے اپنے حصہ کے مطابق زکاۃ ادا کریں گے"

سوال ۴ :

ایک شخص کے پاس سو اونٹ ہیں، لیکن سال کا بیشتر حصہ وہ انہیں چارہ دے کر پالتا ہے، کیا ان اونٹوں میں زکاۃ ہے ؟

جواب :

جانور اونٹ یا گائے یا بکری اگر پورے سال، یا سال کا بیشتر حصہ خود چر کر اپنے پیٹ نہیں بھرتے تو ان میں زکاۃ واجب نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں میں زکاۃ واجب ہونے کے لیے ان کا سائمہ (یعنی خود چر کر پیٹ بھرنے والا) ہونا شرط قرار دیا ہے، اس لیے اگر مالک نے سال کا بیشتر حصہ یا نصف حصہ جانوروں کو چارہ کھلا کر پالا ہے تو ان میں زکاۃ واجب نہیں، الا یہ کہ وہ جانور تجارت کی غرض سے رکھے گئے ہوں، تو ایسی صورت میں ان میں زکاۃ واجب ہوگی اور وہ دیگر سامان تجارت مثلاً

خرید و فروخت کے لیے تیار کی گئی زمین اور گاڑی وغیرہ کے حکم میں ہوں گے' اور سونے اور چاندی کے اعتبار سے نصاب کو پہنچ جانے پر ان میں اسی حساب سے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ زکاۃ واجب ہوگی۔

سوال ۵ :

جس فقیر کو زکاۃ دی جانی چاہیئے مختلف وقت میں اس کے فقر و غربت کا اندازہ یکساں نہیں ہوتا' آخر اس کا معیار کیا ہے؟ اور جب زکاۃ دینے والے پر یہ واضح ہو جائے کہ اس نے زکاۃ غیر مستحق کو دے دی ہے تو کیا وہ دوبارہ زکاۃ نکالے گا؟

جواب :

فقیر کو اتنی زکاۃ دی جائے جو اس کے لیے سال بھر کے لیے کافی ہو' اور زکاۃ دینے والے کو اگر یہ پتہ چل جائے کہ اس نے جسے زکاۃ دی ہے وہ فقیر نہیں ہے تو اس پر قضا نہیں' بشرطیکہ زکاۃ لینے والا ظاہر میں فقیر ہو' جیسا کہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے' وہ یہ کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص نے کسی کو فقیر سمجھ کر زکاۃ دیا' پھر خواب میں دیکھا کہ وہ تو مالدار ہے' چنانچہ اس نے کہا : اے اللہ ! تیری ہی تعریف ہے' میری زکاۃ تو ایک مالدار لے گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد اسے برقرار رکھا اور بتایا کہ اس شخص کی زکاۃ قبول ہو گئی۔

اور یہ مقررہ اصول ہے کہ ہم سے پہلی امت کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت گذشتہ شریعت کے خلاف کوئی حکم نہ پیش کر دے۔

اور اس لیے بھی مذکورہ صورت میں زکاۃ کی قضا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص زکاۃ مانگنے کے لیے آئے' آپ نے انہیں توانا و تندرست دیکھا تو فرمایا :

"اگر تم دونوں چاہتے ہی ہو تو میں تمہیں دیدوں' لیکن یاد رکھو کہ مالدار کے لیے اور کمانے کی طاقت رکھنے والے توانا شخص کے لیے زکاۃ کے مال میں کوئی حصہ نہیں ہے"

اور اس لیے بھی کہ ہر پہلو سے فقیر کی ضرورت کا جاننا مشکل کام ہے' لہٰذا اس کے صرف ظاہری حالات کو دیکھا جائے گا اور اپنے کو فقیر باور کرانے سے اسے زکاۃ دیدی جائے گی' بشرطیکہ زکاۃ دینے والے کو اس کے برخلاف کوئی بات معلوم نہ ہو' اور اگر وہ بظاہر توانا اور کمانے پر قادر نظر آ رہا ہے تو مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں اسے شرعی مسئلہ بھی بتا دیا جائے گا۔

سوال ٦ :

ایک شخص پردیس میں ہے اور وہاں اس کے پیسے چوری ہو گئے' کیا ایسے شخص کو زکاۃ دی جا سکتی ہے' جبکہ موجودہ دور میں مالی معاملات (یعنی ترسیل زر کے ذرائع) بالکل آسان ہو گئے ہیں؟

جواب :

مذکورہ مسئلہ میں ایسا شخص ابن سبیل (مسافر) شمار ہوگا' اس لیے اگر وہ اپنی ضرورت کا یا سفر خرچ کے گم یا چوری ہو جانے کا دعوی کرے تو اسے زکاۃ کے مال سے اتنا دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے وطن واپس پہنچ سکے' بھلے ہی وہ اپنے وطن میں

مالدار شمار ہوتا ہو۔

سوال ۷ :

بوسنیا اور ہرزگونیا کے مسلم مجاہدین اور انہی جیسے دیگر مجاہدین کو زکاۃ کا مال دینے میں بعض لوگوں کو تردد ہوتا ہے' اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا اس وقت ان مجاہدین کو زکاۃ دینا زیادہ بہتر ہے یا دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی مراکز چلانے والوں کو؟ یا خود اپنے ملک کے فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے بھلے ہی اول الذکر دونوں صنف ان سے زیادہ ضرورتمند ہوں؟

جواب :

بوسنیا اور ہرزگونیا کے مسلمان زکاۃ کے مستحق ہیں' کیونکہ وہ فقر و فاقہ سے دو چار ہیں' جہاد کر رہے ہیں' ان پر ظلم ہو رہا ہے اور وہ مالی امداد اور تالیف قلب کے ضرورتمند ہیں' اس لیے وہ اور انہی جیسے دیگر مسلم مجاہدین زکاۃ کے مستحق ترین لوگوں میں سے ہیں' اسی طرح اسلامی مراکز چلانے والے جو دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اگر غریب ہوں تو وہ بھی زکاۃ کے مستحق ہیں' اور اسی طرح دنیا کے عام مسلم فقراء بھی اس بات کے مستحق ہیں کہ مالدار حضرات ان سے ہمدردی و مہربانی کا برتاؤ کریں' تاکہ ان کی دلجوئی ہو اور وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں' بشرطیکہ انہیں جو کچھ دیا جائے وہ ثقہ اور امانت دار اشخاص کے ذریعہ ان تک پہنچ جائے' یہ لوگ زکاۃ کے علاوہ مال کے ذریعہ بھی ہمدردی و مہربانی کیئے جانے کے حقدار ہیں۔

البتہ شہر کے فقراء جہاں زکاۃ نکالی جارہی ہے اگر ان کی ضروریات دوسرے ذرائع سے

پوری نہ ہو سکے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ زکاۃ کے زیادہ حقدار ہیں' کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا :

"انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں' پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ایک دن اور رات میں کل پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی" (متفق علیہ)

سوال ۸ :

زیر استعمال زیورات' یا استعمال کے لیے یا عاریۃ دینے کے لیے تیار کرائے گئے زیورات کی زکاۃ کے بارے میں علماء کا اختلاف معروف ہے' اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟ اور اگر ان زیورات میں زکاۃ واجب ہونے کی بات مان لیں تو کیا اس کا بھی نصاب ہے ؟ اور اگر کہتے ہیں کہ ان کا بھی نصاب ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے جو زیورات میں زکاۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور جن کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات کی زکاۃ نہ دینے والوں کو جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے' مگر ان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نصاب زکاۃ کو نہیں پہنچتے ہیں ؟

جواب :

سونے اور چاندی کے زیورات جو زیر استعمال ہیں یا استعمال کے لیے یا عاریۃ دینے

کے لیے بنوائے گئے ہیں ان میں زکاۃ کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف معروف و مشہور ہے' لیکن راجح قول یہی ہے کہ ان زیورات میں بھی زکاۃ واجب ہے' کیونکہ سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہونے کے جو دلائل ہیں وہ عام ہیں' نیز عبد اللہ بن عمرو بن عاص- رضی اللہ عنہما- کی صحیح حدیث ہے کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے' اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا: کیا تم اس کی زکاۃ دیتی ہو؟ اس نے جواب دیا : نہیں' آپ نے فرمایا : کیا تم کو یہ اچھا لگے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟ چنانچہ اس نے وہیں دونوں کنگن نکال دیئے اور کہا : یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

نیز ام سلمہ- رضی اللہ عنہا- کی حدیث ہے کہ وہ سونے کے زیورات پہنتی تھیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ : کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا : جو مال زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور پھر اس کی زکاۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں۔ آپ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ زیورات میں زکاۃ نہیں ہے۔

یہ ساری حدیثیں ان زیورات پر محمول کی جائیں گی جو نصاب زکاۃ کو پہنچ گئے ہوں' تاکہ ان احادیث کے درمیان اور زکاۃ کے تعلق سے وارد دیگر دلائل کے درمیان تطبیق ہو جائے' کیونکہ جس طرح قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں' اور احادیث نبوی آیات کی تفسیر کرتی ہیں نیز آیات کے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرتی ہیں' اسی طرح احادیث بھی بعض' بعض کی تفسیر کرتی ہیں' کیونکہ یہ سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے ہیں' اور جو بات اللہ کی جانب سے ہو اس میں باہم تعارض محال ہے' بلکہ بعض سے بعض کی تصدیق و تفسیر ہوتی ہے۔

زیورات میں زکاۃ واجب ہونے کے لیے جس طرح ان کا مقدار نصاب تک پہنچنا ضروری ہے اسی طرح دیگر اموال زکاۃ مثلاً روپے پیسے' سامان تجارت اور چوپایوں کی طرح زیورات پر ایک سال کی مدت کا گذرنا بھی ضروری ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۹ :

بعض فقہاء استعمال کے زیورات میں زکاۃ واجب ہونے کی یوں تردید کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانہ میں زیورات کی زکاۃ دینا عام نہیں ہوا' حالانکہ تقریباً کوئی بھی گھر زیور سے خالی نہیں ہوتا' اس لیے یہ نماز کی مانند ہے' یعنی جس طرح نماز کے وجوب کی اور نماز کے اوقات کی تعیین کردی گئی ہے اور جس طرح زکاۃ کے وجوب کی اور زکاۃ کے نصابوں کی تعیین کردی گئی ہے اسی طرح زیورات کے زکاۃ کی بھی وضاحت کردی جاتی' لیکن ایسا نہیں ہوا' بلکہ اس کے برعکس بعض صحابہ جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے بھی زیورات میں زکاۃ کے واجب نہ ہونے کا قول ثابت ہے۔ فقہاء کی اس دلیل کا کیا جواب ہے؟

جواب :

یہ مسئلہ بھی دیگر اختلافی مسائل کی طرح ہے جس میں دلیل کا اعتبار ہوگا' اور جب کوئی ایسی دلیل مل جائے جو اس نزاع کا فیصلہ کر رہی ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَـٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ (سورۃ النساء : ۵۹)

اے ایمان والو ! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے حکومت والے ہیں ان کی اطاعت کرو' پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ' اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو' تمہارے لیے یہی بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا :

﴿ وَمَا ٱخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَىْءٍ فَحُكْمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ ﴾ (سورۃ الشوری : ۱۰)

جس بات میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے۔

جو شخص شرعی حکم جان لینے کے بعد اسے اختیار کرلے تو اہل علم کی مخالفت اسے نقصان نہیں پہنچائے گی' شریعت میں یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ باصلاحیت مجتہدین میں سے جس نے درست مسئلہ تک رسائی حاصل کرلی اس کے لیے دوہرا اجر ہے' اور جس سے چوک ہوگئی اسے اجتہاد پر ایک اجر ملے گا اور درست مسئلہ تک پہنچنے کا اجر فوت ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں حاکم کے اجتہاد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے' اور بقیہ مجتہد علمائے دین بھی اس سلسلے میں مجتہد حاکم کے حکم میں ہیں۔

یہ مسئلہ دیگر اختلافی مسائل کی طرح صحابہ اور ان کے بعد کے زمانہ سے ہی علماء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے' اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مسئلہ میں اور دیگر اختلافی مسائل میں بھی دلائل کے ساتھ حق کو پہچاننے کی کوشش کریں' او جو حق

تک پہنچ جائے اسے کسی مخالف کی مخالفت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ساتھ ہی اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے عالم بھائی کے سلسلے میں حسن ظن رکھیں، اور اس کے قول کو بہترین صورت پر محمول کریں، بھلے ہی اس کی رائے مختلف ہو، جب تک کہ اس کی جانب سے بالقصد حق کی مخالفت کی بات ظاہر نہ ہو جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۰ :

ایک شخص کئی قسم کے سامان کی تجارت کرتا ہے، مثلاً ملبوسات (کپڑوں) کی اور برتنوں وغیرہ کی تجارت، وہ زکاۃ کس طرح نکالے ؟

جواب :

اس کے پاس تجارت کے جو سامان ہیں جب ان پر سال کی مدت گذر جائے اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکاۃ واجب ہو جاتی ہے، اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں جن میں سمرہ بن جندب اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہما کی حدیثیں بھی ہیں۔

سوال ۱۱ :

موجودہ دور میں حصص کے ذریعہ کمپنیوں میں نام لکھوائے جاتے ہیں (شیر لیا جاتا ہے) کیا ان حصص (شیر) میں زکاۃ ہے ؟ اور اگر ہے تو کیسے نکالی جائے ؟

جواب :

زمین اور گاڑیوں اور دیگر سامان تجارت کی طرح تجارتی غرض سے تیار کیے گئے حصص (شیر) والوں پر سال گذر جانے کی صورت میں ان کی زکاۃ واجب ہوجاتی ہے،

لیکن اگر ایسے اموال میں حصہ لیا جائے جو بیع کے لیے نہیں بلکہ کرائے کے لیے تیار کیئے گئے ہیں' مثلاً زمین اور گاڑیاں وغیرہ' تو ان میں زکاۃ نہیں' البتہ ان سے جو کرایہ حاصل ہو جب اس پر سال کی مدت گذر جائے اور اس کی رقم نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکاۃ واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۲ :

ایک شخص کا سارا دارومدار ماہانہ تنخواہ پر ہے' جس کا کچھ حصہ خرچ کرتا ہے اور کچھ حصہ بچا کر جمع کرتا ہے' وہ اپنے اس جمع کردہ مال کی زکاۃ کس طرح نکالے؟

جواب :

اس شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تنخواہ کا جتنا حصہ جمع کرتا ہے اسے لکھتا جائے' پھر سال گذرنے پر اس کی زکاۃ نکال دے' وہ اس طرح کہ ہر ہر مہینہ کی بچی تنخواہ پر جیسے جیسے سال پورا ہوتا جائے اس کی زکاۃ نکالتا جائے' اگر پہلے ہی مہینہ میں اس نے پورے سال کی زکاۃ نکال دی تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ اسے اس کا اجر ملے گا' اور جن رقوم کا ابھی سال نہیں پورا ہوا ہے ان کی زکاۃ' زکاۃ معجل (پیشگی زکاۃ) شمار ہوگی' زکاۃ دینے والا اگر بہتر سمجھے تو پیشگی زکاۃ نکال دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' البتہ سال پورا ہونے کے بعد زکاۃ کی ادائیگی موخر کرنا کسی شرعی عذر کے علاوہ مثلاً مال چوری ہو جائے یا زکاۃ لینے والا نہ ملے' اور کسی حالت میں جائز نہیں۔

سوال ۱۳ :

ایک شخص کی وفات ہوگئی اور اس نے اپنے پیچھے مال اور کچھ یتیم

چھوڑے' کیا اس مال میں زکاۃ ہے؟ اور اگر ہے تو کون ادا کرے؟

جواب :

یتیموں کے مال میں بھی زکاۃ واجب ہے' خواہ وہ نقدی روپے پیسے ہوں' یا تجارتی سامان ہوں' یا چر کر پیٹ بھرنے والے چوپائے ہوں' یا وہ غلے اور پھل ہوں جن میں زکاۃ واجب ہوتی ہے' یتیم کے سرپرست کی ذمہ داری ہے کہ وقت پر ان کے مال کی زکاۃ ادا کرے' اگر ان یتیموں کا ان کے وفات یافتہ باپ کی طرف سے کوئی سرپرست نہ ہو تو معاملہ شرعی عدالت میں پیش کیا جائے گا تاکہ عدالت کی طرف سے یتیموں کا کوئی سرپرست متعین کیا جا سکے جو ان کی اور ان کے مال کی نگہداشت کرے' اور سرپرست کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور یتیموں اور ان کے مال کی بھلائی کے لیے کام کرے' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْيَتَـٰمَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۲۰)

اے پیغمبر وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' کہہ دیجئے کہ ان کی اصلاح کرنا ہی اچھا ہے۔

نیز فرمایا :

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُۥ ﴾ الانعام : ۱۵۲)

یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس طرح سے کہ اس کی بہتری ہو' یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔

اس موضوع پر اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

یتیم کے مال میں سال پورا ہونے کا اعتبار اس وقت سے ہو گا جب ان کے والد کی وفات ہوئی ہے' کیونکہ وفات ہی سے مال ان کی ملکیت میں داخل ہوا ہے۔

سوال ۱۴ :

وقت حاضر میں استعمال اور غیر استعمال کے لیے تیار شدہ زیورات کی متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں جیسے الماس اور پلاٹینم وغیرہ' تو کیا ان میں زکاۃ ہے ؟ اور اگر یہ زیورات زینت و آرائش کے لیے یا استعمال کے لیے برتن کی شکل میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے ؟ مستفید فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب :

یہ زیورات اگر سونے اور چاندی کے ہوں اور مقدار نصاب کو پہنچ جائیں اور ان پر سال کی مدت گذر جائے تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں زکاۃ ہے' خواہ وہ پہننے کے لیے ہوں یا عاریۃ دینے کے لیے تیار کرائے گئے ہوں' جیسا کہ اس بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ لیکن اگر یہ زیورات سونے اور چاندی کے نہ ہوں بلکہ الماس اور عقیق (مونگے) وغیرہ سے بنے ہوں تو ان میں زکاۃ نہیں' الا یہ کہ ان سے تجارت مقصود ہو' تو اس صورت میں یہ تجارتی سامان کے حکم میں ہوں گے اور دیگر سامان تجارت کی طرح ان میں بھی زکاۃ واجب ہوگی۔

رہا سونے اور چاندی کے برتن بنوانے کا مسئلہ' تو زینت و آرائش کے لیے بھی سونے اور چاندی کے برتن بنوانا جائز نہیں' کیونکہ یہ کھانے پینے کے لیے انہیں استعمال کرنے کا ذریعہ ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے :

"سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو' اور نہ ان کی تھالیوں میں کھاؤ' کیونکہ یہ کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں" (متفق علیہ)

اگر کسی نے سونے اور چاندی کے برتن بنوا بھی لیے تو اس کو ان کی زکاۃ دینی ہوگی' ساتھ ہی اللہ عزو جل سے توبہ کرنی ہوگی اور ان برتنوں کو زیورات یا اسی جیسی چیزوں سے بدلنا ہوگا جو برتن کے مشابہ نہ ہوں۔

سوال ۱۵ :

بعض کسان زراعت میں صرف بارش کے پانی پر اکتفا کرتے ہیں' تو کیا اس پیداوار میں زکاۃ ہے ؟ اور کیا اس کا حکم اس پیداوار سے مختلف ہوگا جسے پانی کی مشین اور موٹر کے ذریعہ سینچا گیا ہو ؟

جواب :

جو غلے یا پھل مثلاً کھجور' کشمش' گیہوں اور جو وغیرہ' بارش کے پانی سے یا نہروں سے یا بہتے چشموں سے سینچائی کرکے پیدا کئے گئے ہوں ان میں دسواں حصہ زکاۃ ہے' اور جو پانی کی مشین وغیرہ کے ذریعہ سینچ کر پیدا کئے گئے ہوں ان میں بیسواں حصہ' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے' آپ نے فرمایا :

"جس کو آسمان نے سیراب کیا ہو اس میں دسواں حصہ زکاۃ ہے اور جس کو آلات کے ذریعہ سینچا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ" (صحیح بخاری بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما)

سوال ۱۶ :

بعض مزرعوں میں کئی طرح کے میوے اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں' کیا ان میں زکاۃ ہے ؟ اور وہ کون کون سی پیداوار ہیں جن میں زکاۃ واجب ہوتی ہے ؟

جواب :

میوے اور اسی طرح وہ سبزیاں جو ناپی اور ذخیرہ نہیں کی جاتیں مثلاً تربوز اور انار وغیرہ' ان میں زکاۃ نہیں' الا یہ کہ ان کی تجارت کی جائے' تجارت کی صورت میں ان کی قیمت پر جب سال گذر جائے اور وہ نصاب کو پہنچ جائے تو دیگر تجارتی سامانوں کی طرح ان میں بھی زکاۃ واجب ہوگی۔ البتہ وہ پھل اور غلے جو ناپے اور ذخیرہ کئے جاتے ہیں جیسے کھجور' کشمش' گیہوں اور جو وغیرہ' ان میں زکاۃ واجب ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے :

﴿ وَءَاتُوا۟ حَقَّهُۥ يَوْمَ حَصَادِهِۦ ﴾ (سورۃ الانعام : ۱۴۱)

جس دن ان کو کاٹو ان کا حق ادا کرو۔

اور فرمایا :

﴿ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۴۳)

نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"پانچ وسق سے کم کھجور اور دانے (غلے) میں زکاۃ نہیں ہے" (متفق علیہ)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غلے جو ناپے اور ذخیرہ کئے جاتے ہیں جب ان کی مقدار پانچ وسق پہنچ جائے تو اس میں زکاۃ واجب ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیہوں اور جو میں زکاۃ لی ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مثل غلوں میں زکاۃ واجب ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۷ :

نصاب زکاۃ کے جاننے کے پیمانے مختلف ہیں' ان پیمانوں کی تعیین کے سلسلے میں خود ہمارے علماء کے درمیان بھی اختلاف ہے' سوال یہ ہے کہ موجودہ وقت میں نصاب کے جاننے کا سب سے صحیح پیمانہ کیا ہے؟

جواب :

اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع معیار ہے' صاع نبوی' عراقی رطل سے پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے' اور ہاتھ سے اس کا اندازہ متوسط ہاتھ سے دونوں بھرے ہوئے ہاتھوں کے چار لپ کے برابر ہے' جیسا کہ اہل علم اور ائمہ لغت نے اس کی صراحت کی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۸ :

بہت سے لوگ بینکوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں' جس میں کبھی حرام معاملات مثلاً سودی کاروبار بھی شامل ہوتے ہیں' کیا اس طرح کے مال میں زکاۃ ہے؟ اور اگر ہے تو اس کے نکالنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب :

سودی کاروبار کرنا حرام ہے خواہ وہ بینک کے ساتھ ہو یا غیر بینک کے ساتھ' سودی کاروبار سے جو فائدہ حاصل ہو وہ کل کا کل حرام ہے' اور صاحب مال کی ملکیت نہیں' اس لیے اگر اس نے سود کی حرمت جانتے ہوئے وہ مال حاصل کر لیا ہے تو اسے خیر کے کاموں میں صرف کر دینا ہوگا' لیکن اگر ابھی سودی منافع اس نے حاصل نہیں کیے

ہیں تو اسے اپنا صرف اصل مال (راس المال) لے کر باقی چھوڑ دینا ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ فَأْذَنُوا۟ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴾ (البقرة : ۲۷۸'۲۷۹)

اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو' اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار رہو' اور اگر توبہ کرلیتے ہو تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے' نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

لیکن اگر کسی نے سود کی حرمت نہ جانتے ہوئے سودی منافع حاصل بھی کر لیے تو یہ اس کی ملکیت ہیں' اپنے مال سے اس کو الگ کرنا اس کے لیے ضروری نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ۚ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴾

(سورۃ البقرہ : ۲۷۵)

اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے' تو جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت آگئی اور وہ (سود سے) باز آگیا' تو جو کچھ پہلے ہوگیا وہ اس کے لیے ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے' اور جو پھر سود کی طرف پلٹے تو یہی لوگ جہنمی ہیں' وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایسے شخص کو جس طرح اپنے اس مال کی زکاۃ دینی ہوگی جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس مال کی زکاۃ بھی دینی ہوگی جو سودی منافع کے علاوہ ہیں' اور اس میں اس کا وہ مال بھی داخل ہے جس میں سود کی حرمت جاننے سے پہلے سودی منافع شامل ہوگئے ہیں' کیونکہ مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں وہ اس کا مال ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۹ :

صدقہ فطر کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس میں بھی نصاب ہے؟ اور کیا صدقہ فطر میں جو غلے نکالے جاتے ہیں وہ متعین ہیں؟ اور اگر متعین ہیں تو کیا کیا ہیں؟ اور کیا مرد پر گھر بھر کی جانب سے' جن میں بیوی اور خادم بھی ہیں' صدقہ فطر نکالنا واجب ہے؟

جواب :

صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے' خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد اور عورت' چھوٹے اور بڑے' آزاد اور غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر فرض قرار دیا ہے' اور مسلمانوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دینے کا حکم دیا ہے" (متفق علیہ)

صدقہ فطر کے لیے نصاب شرط نہیں' بلکہ ہر وہ مسلمان جس کے پاس اپنے لیے اور اپنے بال بچوں کے لیے ایک دن اور ایک رات کی خوارک سے زائد غلہ ہو اسے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے' جن میں اس کے بچے' بیویاں اور زر خرید غلام اور لونڈی شامل ہیں' صدقہ فطر نکالنا ہو گا۔

وہ غلام جسے اجرت۔ تنخواہ۔ پر رکھا گیا ہو وہ اپنے صدقہ فطر کا خود ذمہ دار ہے' الا یہ کہ مالک بطور احسان اپنی طرف سے ادا کر دے' یا غلام نے مالک پر صدقہ فطر کی شرط لگا رکھی ہو' لیکن زر خرید غلام کا صدقہ فطر تو جیسا کہ حدیث میں مذکور ہوا' مالک کے ذمہ ہے۔

صدقہ فطر کا علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق شہر کی خوراک کی جنس سے نکالنا ضروری ہے' خواہ وہ کھجور ہو' یا جو ہو' یا گیہوں ہو' یا مکئی ہو' یا اس کے علاوہ کوئی اور غلہ ہو۔ اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کسی خاص قسم کے غلے کی شرط نہیں رکھی ہے' اور اس لیے بھی کہ اس سے غرباء و مساکین کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی ہے اور غیر خوراک سے کسی کے ساتھ ہمدردی کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

سوال ۲۰ :

بوسنیا اور ہرزگونیا وغیرہ کے مسلم مجاہدین کو صدقہ فطر دینا کیسا ہے؟ اور اگر فتویٰ جواز کا ہے تو پھر اس سلسلے میں افضل کیا ہے؟

جواب :

مشروع یہ ہے کہ صدقہ فطر نکالنے والا جس شہر میں مقیم ہے صدقہ فطر وہیں کے

فقراء کو دے' کیونکہ عموماً وہی اس کے زیادہ ضرورتمند ہوتے ہیں' اور اس لیے بھی کہ اس سے ان کی ہمدردی و غمخواری ہو جاتی ہے اور وہ عید کے دن دست سوال دراز کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر صدقہ فطر دوسرے شہر کے فقراء کو دیدیا جائے تو بھی علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق کفایت کر جائے گا' کیونکہ اس صورت میں بھی وہ مستحقین تک ہی پہنچتا ہے' پھر بھی اپنے شہر کے فقراء کو دینا افضل اور احوط ہے۔

زکاۃ کی طرح صدقہ فطر کی تقسیم کے لیے بھی کسی معتبر شخص کو وکیل بنانا درست ہے' خواہ اس کی تقسیم شہر کے فقراء میں ہو یا باہر کے فقراء میں' اسی طرح صدقہ فطر کا غلہ خریدنے اور اسے فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے بھی کسی معتبر شخص کو وکیل بنانا درست ہے' واللہ ولی التوفیق۔

روزہ

سوال ۱ :

رمضان کے روزے کن لوگوں پر فرض ہیں؟ نیز رمضان کے روزوں کی اور نفل روزوں کی کیا فضیلت ہے؟

جواب :

رمضان کے روزے ہر مکلف مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں' اور جو بچے اور بچیاں سات سال کے ہو جائیں اور وہ روزے رکھ سکتے ہوں تو ان کے لیے رمضان کے روزے رکھنا مستحب ہے' اور ان کے سرپرست حضرات کا یہ فرض ہے کہ طاقت رکھنے کی صورت میں انہیں نماز کی طرح روزے کا بھی حکم دیں۔ اس مسئلہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ﴾ (سورة البقرہ : ۱۸۳'۱۸۴)

اے ایمان والو ! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے' تاکہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' روزے کے چند گنتی کے دن ہیں' تو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے۔

اور اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَـٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' جو لوگوں کو راہ بتلاتا ہے اور اس میں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں' پس تم میں سے جو شخص یہ مہینہ پائے وہ اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں اس کی گنتی پوری کرے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے : اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرنا' اور زکاۃ دینا' اور رمضان کے روزے رکھنا' اور بیت اللہ کا حج کرنا" (متفق علیہ)

نیز جبرئیل علیہ السلام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

"اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرو' اور زکاۃ دو' اور رمضان کے روزے رکھو' اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کیا ہے' اور اسی معنی کی ایک اور حدیث بخاری و مسلم ہی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی مروی ہے۔

نیز صحیحین۔ بخاری و مسلم۔ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جس نے ایمان کے ساتھ اجر و ثواب طلب کرتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے گذشتہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے گئے"

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ آدمی کا ہر عمل اسی کے لیے ہے' ایک نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہے' البتہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اسے اس کا بدلہ دونگا' اس نے میرے لیے اپنی شہوت سے کنارہ کشی کی اور کھانا پینا ترک کیا' اور روزہ دار کے لیے خوشی کے دو موقع ہیں' ایک موقع وہ ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے' اور دوسرا موقع وہ ہو گا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے" (متفق علیہ)

رمضان کے روزوں کی اور عام روزوں کی فضیلت کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو لوگوں میں معروف و مشہور بھی ہیں' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲ :

کیا سوجھ بوجھ رکھنے والے بچے سے روزہ رکھوایا جائے گا؟ اور اگر روزہ رکھنے کے دوران ہی وہ بالغ ہو جائے تو کیا یہ روزہ فرض روزہ کی طرف سے کفایت کرے گا؟

جواب :

پہلے سوال کے جواب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بچے اور بچیاں جب سات سال یا اس سے زیادہ کے ہو جائیں تو عادت ڈالنے کے لیے ان سے روزے رکھوائے

جائیں' اور ان کے سرپرست حضرات کی ذمہ داری ہے کہ نماز کی طرح انہیں روزے کا بھی حکم کریں' اور جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر ان پر روزہ واجب ہو جاتا ہے' اور اگر دن میں روزہ کے دوران ہی بالغ ہو جائیں تو ان کا یہ (نفل) روزہ فرض روزہ کی طرف سے کفایت کر جائے گا' بطور مثال یہ فرض کر لیں کہ ایک بچے نے زوال کے وقت اپنی عمر کے پندرہ سال مکمل کئے' اور وہ اس دن روزہ سے تھا' تو اس کا یہ روزہ فرض روزہ کی طرف سے کافی ہو گا' دن کے اول حصہ کا روزہ نفل اور آخیر حصہ کا روزہ فرض شمار ہو گا' لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس سے پہلے اس کے زیر ناف بال نہ آئے ہوں' یا شہوت کے ساتھ اس سے منی نہ خارج ہوئی ہو۔ بچی کے بارے میں بھی بالکل یہی حکم ہے' البتہ اس کے تعلق سے ایک چوتھی علامت حیض بھی ہے جس سے اس کے بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

سوال ۳ :

مسافر کے لیے سفر میں' خصوصاً ایسے سفر میں جس میں کسی طرح کی مشقت درپیش نہ ہو' مثلاً ہوائی جہاز سے یا دیگر جدید ذرائع سے سفر کرنے کی صورت میں روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا؟

جواب :

مسافر کے لیے سفر میں مطلقاً روزہ نہ رکھنا بہتر ہے' لیکن اگر کوئی شخص بحالت سفر روزہ رکھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دونوں عمل ثابت ہیں' لیکن اگر سخت گرمی ہو اور مشقت زیادہ محسوس ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی موکد ہو جاتا ہے' اور ایسی صورت میں روزہ رکھنا مکروہ

ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سفر میں روزے سے ہے اور سخت گرمی کی وجہ سے اس کے اوپر سایہ ڈال دیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا :

"سفر میں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ہے"

اور اس لیے بھی ایسی حالت میں روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت قبول کی جائے' جس طرح اسے یہ بات ناپسند ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے"

دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

"جس طرح اسے یہ بات پسند ہے کہ اس کے فرائض پر عمل کیا جائے"

اس سلسلے میں گاڑی یا اونٹ یا کشتی یا پانی کے جہاز سے سفر کرنے والے میں اور ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے میں کوئی فرق نہیں' کیونکہ سفر کا لفظ ہر ایک کو شامل ہے اور وہ سفر کی رخصت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے سفر اور اقامت کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تا قیامت آنے والوں کے لیے مشروع فرمائے' اور اسے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ بعد میں حالات میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں گی اور کیسے کیسے وسائل سفر ایجاد ہوں گے' اس لیے اگر حالات اور وسائل سفر کے مختلف ہونے سے احکام بھی بدل جاتے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بات پر متنبہ کیا ہوتا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے :

﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴾ (سورۃ النحل : ۸۹)

ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور

مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

نیز فرمایا :

﴿ وَٱلۡخَيۡلَ وَٱلۡبِغَالَ وَٱلۡحَمِيرَ لِتَرۡكَبُوهَا وَزِينَةٗۚ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُونَ ﴾
(سورۃ النحل : ۸)

اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کے لیے پیدا کیے' اور وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔

سوال ۴ :

ماہ رمضان کا شروع ہونا اور اختتام کو پہنچنا کس چیز سے ثابت ہو گا؟ اور اگر رمضان کے شروع ہونے یا مکمل ہونے کے وقت صرف ایک شخص نے اکیلے چاند دیکھا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

ماہ رمضان کا شروع ہونا اور ختم ہونا دو یا دو سے زیادہ عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے' البتہ اس ماہ کے شروع ہونے کے لیے صرف ایک گواہ کی گواہی کافی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''اگر دو گواہ گواہی دیدیں تو روزہ رکھو اور افطار کرو''

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کی شہادت اور ایک موقع پر صرف ایک دیہاتی کی شہادت کی بنیاد پر لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا' اور مزید کوئی شہادت نہیں طلب کی تھی' اس کی حکمت۔ واللہ اعلم یہ ہے کہ اس ماہ کے شروع ہونے اور اختتام کو پہنچنے میں دین کے لیے احتیاط ملحوظ رکھا

جائے' جیسا کہ اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے شروع یا اختتام کے وقت اکیلے چاند دیکھا اور اس کی شہادت پر عمل نہ کیا گیا تو اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق وہ عام لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے اور افطار کرے اور خود اپنی شہادت پر عمل نہ کرے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

''روزہ اس دن کا ہے جس دن تم سب روزہ رکھتے ہو' اور افطار اس دن ہے جس دن تم سب افطار کرتے ہو' اور قربانی اس دن ہے جس دن تم سب قربانی کرتے ہو''۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۵ :

مطلع بدل جائے تو لوگ کس طرح روزے رکھیں؟ اور کیا دور دراز ملکوں مثلاً امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ میں رہنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سعودی عرب والوں کی رویت کی بنیاد پر روزہ رکھیں' کیونکہ وہ چاند نہیں دیکھتے؟

جواب :

اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ چاند کی رویت پر اعتماد کیا جائے اور مطلع بدل جانے کا اعتبار نہ کیا جائے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہی پر اعتماد کرنے کا حکم دیا ہے' اور اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں فرمائی ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ثابت ہے :

''چاند دیکھ کر روزہ رکھو' اور چاند دیکھ کر افطار کرو' اور اگر ابر کی وجہ سے تم پر

چاند ظاہر نہ ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو" (متفق علیہ)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی ثابت ہے :

"تم روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا (شعبان کی) گنتی پوری کر لو' اور افطار نہ کرو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا (رمضان کی) گنتی پوری کر لو"

اس معنی کی اور بھی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاننے کے باوجود اختلاف مطلع کی جانب کوئی اشارہ نہیں فرمایا۔ لیکن کچھ اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ مطلع بدل جانے کی صورت میں ہر شہر والوں کے لیے چاند دیکھنے کا اعتبار ہو گا' ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر ہے کہ وہ مدینہ طیبہ میں تھے اور انہوں نے اہل شام کی رویت کا اعتبار نہ کیا' ملک شام والوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کی رات رمضان کا چاند دیکھا اور اسی کے مطابق روزہ رکھا' لیکن اہل مدینہ نے وہی چاند ہفتہ کی رات دیکھا' اور جب حضرت کریب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اہل شام کے چاند دیکھنے اور روزہ رکھنے کا تذکرہ کیا تو ابن عباس نے فرمایا کہ ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے' اس لیے ہم روزہ رکھیں گے یہاں تک کہ (عید کا) چاند دیکھ لیں یا پھر (رمضان کی) گنتی پوری کر لیں' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا :

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو' اور چاند دیکھ کر افطار کرو"

اہل علم کے اس قول کے اندر تقویت پائی جاتی ہے' اور سعودی عرب کی "مجلس ہیئت کبار علماء" کے ممبران کی رائے بھی یہی ہے' کیونکہ اس سے مختلف دلائل کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۶ :

جن ملکوں میں دن اکیس گھنٹے تک بڑا ہوتا ہے وہاں کے لوگ کس طرح روزہ رکھیں؟ کیا وہ روزہ رکھنے کے لیے کوئی وقت متعین کریں گے ؟ اسی طرح جن ملکوں میں دن بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے وہ کیا کریں؟ اور اسی طرح وہ ممالک جہاں دن اور رات چھ چھ ماہ تک لمبے ہوتے ہیں وہاں کے لوگ کس طرح روزہ رکھیں؟

جواب :

جن ممالک میں دن اور رات کی گردش چوبیس گھنٹے کے اندر اندر پوری ہو جاتی ہے وہاں کے لوگ دن میں روزہ رکھیں گے' خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا' اور یہ ان کے لیے۔ الحمد للہ۔ کفایت کر جائے گا' بھلے ہی دن چھوٹا ہو۔ البتہ وہ ممالک جہاں دن اور رات کی گردش چوبیس گھنٹے کے اندر پوری نہیں ہوتی' بلکہ رات یا دن چھ چھ ماہ تک لمبے ہوتے ہیں' وہاں کے لوگ نماز اور روزہ کے وقت کا اندازہ متعین کر کے اسی حساب سے نماز پڑھیں گے اور روزے رکھیں گے' جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظاہر ہونے کے ایام کے بارے میں حکم دیا ہے' جس کا پہلا دن ایک سال کے اور دوسرا دن ایک ماہ کے اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہو گا' کہ نماز کے وقت کا اندازہ کر کے نماز پڑھ لیں۔

سعودی عرب کی "مجلس ہیئت کبار علماء" نے مذکورہ بالا مسئلہ میں غور و فکر کرنے کے بعد ایک قرار داد حوالہ نمبر ۶۱' مورخہ ۱۲ / ۴ / ۱۳۹۸ھ پاس کی ہے' جو درج ذیل ہے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ، وَ بَعْدُ :

مجلس ہیئت کبار علماء کے بارہویں اجتماع منعقدہ ریاض، ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۸ ہجری میں رابطہء عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل کا خط، حوالہ نمبر ۵۵۵، مورخہ ۱۳۹۸/۱/۱۶ھ پیش ہوا جو سویڈن کے شہر مالو کے صدر رابطہ برائے اسلامی تنظیمات کے خط میں وارد موضوع پر مشتمل تھا، جس میں صدر محترم مذکور نے یہ وضاحت کی ہے کہ "سکنڈے نیوین" ممالک میں وہاں کے جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر موسم گرما میں دن انتہائی لمبا اور موسم سرما میں انتہائی چھوٹا ہے، جبکہ وہاں کے شمالی علاقوں میں موسم گرما میں آفتاب غروب ہی نہیں ہوتا، اور موسم سرما میں اس کے برعکس آفتاب طلوع ہی نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں ان ممالک میں بسنے والے مسلمان روزہ رکھنے اور افطار کرنے نیز اوقات نماز کی تعیین کی کیفیت جاننا چاہتے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری نے اپنے خط میں اس بارے میں فتویٰ صادر کرنے کی درخواست کی ہے، تاکہ مذکورہ ممالک کے مسلمانوں کو اس فتویٰ سے باخبر کرسکیں۔

مجلس ہیئت کبار علماء کے اس اجتماع میں مسئلہ ہذا سے متعلق دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء کا تیار کردہ بیان اور فقہاء سے منقول دیگر نصوص بھی پیش کئے گئے، اور ان پر بحث و نظر اور مناقشہ کے بعد مجلس نے درج ذیل بیان جاری کیا :

۱ - جن ممالک میں دن اور رات ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں، بایں طور کہ وہاں فجر طلوع ہوتی ہو اور آفتاب غروب ہوتا ہو، البتہ موسم گرما میں دن بہت ہی طویل ہوتا ہو اور اس کے برعکس موسم سرما میں بہت ہی چھوٹا ہو، ایسے ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہی اوقات میں نماز ادا کریں جو شرعاً متعین اور معروف ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے :

﴿ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيْلِ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴾ (سورۃ الاسراء : ۷۸)

سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو' اور فجر کے وقت قرآن پڑھنا بھی' یقیناً فجر میں قرآن پڑھنے کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی :

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴾ (سورۃ النساء : ۱۰۳)

یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقت میں فرض ہے۔

نیز بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا : ہمارے ساتھ دو دن نماز پڑھو' چنانچہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے بلال۔ رضی اللہ عنہ۔ کو اذان دینے کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' پھر آپ نے حکم دیا اور انہوں نے ظہر کی اقامت کہی' پھر جبکہ آفتاب ابھی بلند' سفید اور بالکل صاف تھا آپ نے حکم دیا اور انہوں نے عصر کی اقامت کہی' پھر جب آفتاب غروب ہوگیا تو آپ نے حکم دیا اور انہوں نے مغرب کی اقامت کہی' پھر جب آسمان کی سرخی غائب ہوگئی تو آپ نے حکم دیا اور انہوں نے عشاء کی اقامت کہی' پھر طلوع فجر کے بعد آپ نے حکم دیا انہوں نے فجر کی اقامت کہی۔

پھر جب دوسرا دن شروع ہوا تو آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے بلال کو حکم دیا اور انہوں نے ٹھنڈا ہونے پر اقامت کہی' اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ آفتاب ابھی بلندی پر تھا' لیکن پہلے دن سے دیر کرکے پڑھی' اور مغرب کی نماز سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی' اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گذر جانے پر پڑھی' اور فجر کی

نماز اجالا ہو جانے پر پڑھی' پھر فرمایا : نماز کے وقت کے بارے میں سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا : اے اللہ کے رسول ! میں ہوں' آپ نے فرمایا : تمہاری نمازوں کے اوقات ان دونوں وقتوں کے درمیان ہیں (بخاری و مسلم)

عبداللہ بن عمرو بن عاص- رضی اللہ عنہما- سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ظہر کا وقت وہ ہے جب آفتاب ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے مثل ہو جائے- اس وقت سے لے کر عصر تک ہے' اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ آفتاب میں زردی نہ آجائے' اور مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سرخی غائب نہ ہو جائے' اور عشاء کا وقت متوسط رات کے نصف تک ہے' اور فجر کا وقت طلوع فجر کے بعد سے لے کر آفتاب طلوع ہونے سے پہلے تک ہے' پھر جب آفتاب طلوع ہونے لگے تو نماز سے رک جاؤ' کیونکہ آفتاب شیطان کی دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے" (صحیح مسلم)

ان کے علاوہ اور بھی قولی و فعلی احادیث ہیں جو پانچوں فرض نمازوں کے اوقات کے تعیین کے سلسلے میں وارد ہیں' ان احادیث میں دن یا رات کے چھوٹے یا بڑے ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے' جب تک کہ نمازوں کے اوقات رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی بیان کردہ علامتوں کے مطابق ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں- یہ رہا مسئلہ اوقات نماز کی تعیین کا-

رہی بات ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کے اوقات کی تعیین کی' تو جن ممالک میں دن اور رات ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں اور ان کا مجموعی وقت چوبیس گھنٹے ہو'

وہاں کے مکلف مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ پورے دن یعنی طلوع فجر سے لے کر آفتاب غروب ہونے تک کھانے' پینے اور دیگر تمام مفطرات سے رکے رہیں' اور صرف رات میں' خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو' کھانا' پینا اور بیوی سے ہمبستری وغیرہ حلال جانیں' کیونکہ شریعت اسلام ہر ملک کے باشندوں کے لیے عام ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۸۷)

اور کھاتے اور پیتے رہو' یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔

البتہ وہ شخص جو دن کے طویل ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتا ہو' یا آثار و علامات سے یا تجربہ سے یا کسی معتبر ماہر ڈاکٹر کے بتانے سے یا اپنے گمان غالب سے یہ جانتا ہو کہ روزہ رکھنا اس کی ہلاکت کا یا شدید مرض میں مبتلا ہو جانے کا سبب بن سکتا ہے' یا روزہ رکھنے سے اس کا مرض بڑھ جائے گا' یا اس کی شفایابی کمزور پڑ جائے گی' تو ایسا شخص روزہ نہ رکھے' اور ان کے بدلے دوسرے مہینہ میں' جس میں اس کے لیے روزہ رکھنا ممکن ہو' قضا کرلے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۸۵)

جو شخص رمضان کا مہینہ پائے وہ اس کا روزہ رکھے' اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۸۶)

اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور فرمایا :

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (سورۃ الحج : ۷۸)

اور اس (اللہ) نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

۲ ۔ جن ممالک میں موسم گرما میں آفتاب غروب ہی نہ ہوتا ہو اور موسم سرما میں آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا ہو' اسی طرح وہ ممالک جہاں مسلسل چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن رہتا ہو' وہاں کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قریب ترین ملک جہاں فرض نمازوں کے اوقات جدا جدا ہوں' وہاں کے اوقات نماز کے پیش نظر اپنی پنج وقتہ فرض نمازوں کے اوقات متعین کرلیں' اور ہر چوبیس گھنٹے کے اندر پانچوں فرض نمازیں ادا کریں' کیونکہ اسراء و معراج والی حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ایک دن اور ایک رات میں پچاس نمازیں فرض کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے امت کے لیے تخفیف کرواتے رہے' یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا :

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دن اور رات میں اب یہ کل پانچ نمازیں ہیں' اور ہر نماز دس کے برابر ہے' گویا یہ پچاس نمازیں ہیں"

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علاقۂ نجد سے ایک دیہاتی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے' جن کا سر پراگندہ تھا' ہم ان کی آواز تو سن رہے تھے مگر بات نہیں سمجھ پا رہے تھے' یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہو گئے' وہ آپ سے اسلام کے بارے میں دریافت کر رہے تھے' آپ

نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا :

"ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں"

اس دیہاتی نے سوال کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے ؟ آپ نے فرمایا :

"نہیں' الا یہ کہ تم نفل پڑھو"

نیز انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا' اس لیے ہماری یہ خواہش ہوتی تھی کہ دیہات سے کوئی سمجھدار شخص آئے اور آپ سے کچھ دریافت کرے اور ہم سنیں' چنانچہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی آیا اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس آپ کا قاصد پہنچا اور کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو بھیجا ہے' آپ نے فرمایا : قاصد نے سچ کہا۔ اس نے سوال کرتے کرتے کہا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا کہ ہم پر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں' آپ نے فرمایا : اس نے سچ کہا۔ دیہاتی نے کہا : اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے ؟ آپ نے فرمایا : ہاں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے صحابۂ کرام کو مسیح دجال کے بارے میں بتایا' تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ کتنے دن زمین پر ٹھہرے گا؟ آپ نے فرمایا : چالیس دن' لیکن اس کا ایک دن ایک سال کے برابر' ایک دن ایک ماہ کے برابر' ایک دن ایک جمعہ (یعنی ایک ہفتہ) کے برابر' اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ! اس کا جو دن ایک سال کے برابر ہو گا کیا اس میں ایک دن کی نمازیں ہمارے لیے کافی ہوں گی؟ آپ نے

فرمایا : نہیں، بلکہ ایک ایک دن کا اندازہ کر لیا کرنا۔

اس حدیث میں آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے دجال کے ظاہر ہونے کے وقت ایک سال کے برابر والے دن کو ایک دن نہیں شمار فرمایا، جس میں صرف پانچ نمازیں کافی ہوں، بلکہ ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں فرض قرار دیں، اور یہ حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے ملکوں میں عام دنوں کے اوقات کے اعتبار سے نمازوں کے اوقات متعین کر لیں۔

لہٰذا ان ممالک کے مسلمان جن کے تعلق سے نمازوں کے اوقات کے تعیین کا مسئلہ دریافت کیا گیا ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قریب ترین ملک، جہاں دن اور رات ہر چوبیس گھنٹے کے اندر مکمل ہو جاتے ہوں، اور شرعی علامتوں کے ذریعہ پنج وقتہ نمازوں کے اوقات معروف ہوں، اس ملک کے اوقات نماز کی روشنی میں نمازوں کے اوقات متعین کر لیں۔

اسی طرح رمضان کے روزے کا مسئلہ بھی ہے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قریب ترین ملک، جہاں دن اور رات جدا جدا ہوں اور ہر چوبیس گھنٹے کے اندر ان کی گردش مکمل ہو جاتی ہو، اس ملک کے اوقات کے اعتبار سے ماہ رمضان کی ابتدا اور اس کے اختتام، اوقات سحر و افطار، نیز طلوع فجر اور غروب آفتاب وغیرہ کے اوقات متعین کر لیں اور روزہ رکھیں، جیسا کہ مسیح دجال سے متعلق حدیث میں بات گذر چکی ہے، اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اس بڑے دن میں اوقات نماز کی تعیین کرنے کی کیفیت کی جانب رہنمائی فرمائی ہے، اور ظاہر بات ہے کہ اس مسئلہ میں روزہ اور نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ واللہ ولی التوفیق، وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

سوال ۷ :

کیا اذان شروع ہونے کے ساتھ ہی سحری کھانے سے رک جانا ضروری ہے یا اذان ختم ہونے تک کھا' پی سکتے ہیں؟

جواب :

موذن کے بارے میں اگر یہ معروف ہو کہ وہ فجر طلوع ہونے کے ساتھ ہی اذان دیتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی اذان سنتے ہی کھانے پینے اور دیگر تمام مفطرات سے رک جانا ضروری ہے' لیکن اگر کلینڈر کے اعتبار سے ظن و تخمین سے اذان دی جائے تو ایسی صورت میں اذان کے دوران کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے' آپ نے فرمایا :

"بلال رات میں اذان دیتے ہیں سو کھاؤ اور پیو' یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں"۔

اس حدیث کے آخر میں راوی کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا شخص تھے' وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک کہ ان سے یہ نہ کہا جاتا کہ تم نے صبح کردی (متفق علیہ)

اہل ایمان مرد و عورت کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل احادیث پر عمل کرتے ہوئے وہ طلوع فجر سے پہلے ہی سحری سے فارغ ہو جائیں' آپ نے فرمایا :

"جو چیز تمہیں شبہ میں ڈالے اسے چھوڑ کر جو شبہ میں ڈالنے والی نہ ہو اسے لے لو"۔

نیز فرمایا :

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا"۔

لیکن اگر یہ بات متعین ہو کہ موذن کچھ رات باقی رہنے پر ہی طلوع فجر سے پہلے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے اذان دیتا ہے' جیسا کہ بلال کرتے تھے' تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا حدیث پر عمل کرتے ہوئے کھاتے پیتے رہنے میں کوئی حرج نہیں' یہاں تک کہ طلوع فجر کے ساتھ اذان دینے والے موذن کی اذان شروع ہو جائے۔

سوال ۸ :

کیا حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور کیا ایسی عورتوں کو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہوگی' یا روزہ نہ رکھنے کے بدلے کفارہ دینا ہوگا؟

جواب :

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کا حکم مریض کا حکم ہے' اگر روزہ رکھنا ان کے لیے بھاری ہو تو روزہ نہ رکھیں' اور بعد میں جب وہ روزہ رکھنے کے لائق ہو جائیں تو مریض کی طرح وہ بھی چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرلیں' بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو ہر دن کے بدلے ایک ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا' لیکن یہ ضعیف اور مرجوح قول ہے' صحیح بات یہی ہے کہ انہیں بھی مریض اور مسافر کی طرح چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنی ہوگی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ البقرہ : ۱۸۴)

پس جو تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ کی اور آدھی نماز کی تخفیف کر دی ہے اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں سے روزہ کی" (صحیح مسلم و سنن اربعہ)

سوال ۹ :

وہ لوگ جن کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مثلاً عمر رسیدہ مرد و عورت اور ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو' ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا روزہ نہ رکھنے کے عوض انہیں فدیہ دینا ہو گا؟

جواب :

جو شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جس سے شفایاب ہونے کی امید نہ ہو' روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اسے ہر دن کے بدلے بصورت استطاعت ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہو گا' جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت۔ جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ کا فتویٰ ہے۔

سوال ۱۰ :

حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر انہوں نے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا آئندہ رمضان تک مؤخر کر دی تو ان پر کیا لازم ہے؟

جواب :

حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ حیض اور نفاس کے وقت وہ روزہ توڑ دیں' حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا جائز نہیں' اور نہ ہی ایسی حالت کی نماز اور روزہ صحیح ہے' انہیں بعد میں صرف روزوں کی قضا کرنی ہوگی' نماز کی نہیں' عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے' ان سے سوال کیا گیا کہ کیا حائضہ عورت نماز اور روزے کی قضا کرے ؟ تو انہوں نے فرمایا :

"ہمیں روزوں کی قضا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا" (متفق علیہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث پر علماء۔ رحمتہ اللہ علیہم۔ کا اتفاق ہے کہ حیض و نفاس والی عورتوں کو صرف روزوں کی قضا کرنی ہے نماز کی نہیں۔ اور یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ایک طرح کی رحمت اور آسانی ہے' کیونکہ نماز ایک دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے' اس لیے نماز کی قضا مذکورہ عورتوں پر بھاری تھی' اس کے برخلاف روزہ سال میں صرف ایک بار فرض ہے' اور وہ ماہ رمضان کا روزہ ہے' اس لیے اس کے قضا میں کوئی مشقت و دشواری نہیں۔

رہا مسئلہ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا میں تاخیر کا' تو جس عورت نے رمضان کے چھوٹے ہوئے روزے کسی شرعی عذر کے بغیر دوسرے رمضان کے بعد تک موخر کر دیئے' اسے قضا کرنے کے ساتھ ہی ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی ہوگی' یہی حکم مریض اور مسافر کا بھی ہے' اگر انہوں نے رمضان کے چھوٹے ہوئے روزے کسی شرعی عذر کے بغیر دوسرے رمضان کے بعد تک موخر کر دیئے تو انہیں قضا کرنے کے ساتھ ہی ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا اور اللہ سے توبہ کرنی

ہوگی' البتہ اگر مرض یا سفر دوسرے رمضان تک مسلسل جاری و برقرار رہا تو مرض سے شفایاب ہونے اور سفر سے لوٹنے کے بعد صرف روزوں کی قضا کرنی ہوگی' ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا نہیں کھلانا ہوگا۔

سوال ۱۱ :

جس شخص کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو اس کے لیے نفلی روزے مثلاً شوال کے چھ روزے' عشرۂ ذی الحجہ کے روزے اور عاشوراء کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب :

جس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق نفلی روزوں سے پہلے اس پر رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہے' کیونکہ فرائض' نوافل سے اہم ہیں۔

سوال ۱۲ :

ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مریض تھا' پھر اس پر رمضان کا مہینہ بھی آیا مگر وہ روزہ نہ رکھ سکا' اور رمضان کے بعد انتقال کر گیا' کیا اس کی طرف سے روزوں کی قضا کی جائے گی یا مساکین کو کھانا کھلایا جائے گا؟

جواب :

مسلمان اگر رمضان کے بعد بیماری کی حالت میں انتقال کر جائے تو اس پر روزوں کی قضا اور مساکین کو کھانا کھلانا نہیں ہے' کیونکہ وہ شرعاً معذور ہے' اسی طرح مسافر اگر حالت سفر میں یا سفر سے واپس آتے ہی انتقال کر جائے تو اس پر بھی روزوں کی قضا

اور مسکینوں کو کھانا کھلانا نہیں ہے' کیونکہ وہ شرعاً معذور ہے۔

البتہ وہ مریض جس نے شفایاب ہونے کے بعد روزوں کی قضا کرنے میں سستی برتی' پھر انتقال کر گیا' یا وہ مسافر جس نے سفر سے واپس آنے کے بعد روزوں کی قضا کرنے میں سستی برتی' پھر انتقال کر گیا' ایسے لوگوں کے اقرباء کو چاہئے کہ وہ ان کی طرف سے روزوں کی قضا کریں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جو شخص انتقال کر گیا اور اس کے ذمہ روزہ تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے" (متفق علیہ)

لیکن اگر ان کی طرف سے کوئی روزہ رکھنے والا نہ ہو تو ان کے ترکہ میں سے ان کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو نصف صاع' جو تقریباً ڈیڑھ کلو ہوتا ہے' کھانا دینا ہو گا' جیسا کہ عمر رسیدہ (بوڑھے) اور دائمی مریض کی طرف سے دیا جاتا ہے' جیسا کہ اس کی تفصیل سوال نمبر۹ کے جواب میں گذر چکی ہے۔

اسی طرح حیض اور نفاس والی عورتوں سے اگر رمضان کے روزوں کی قضا میں سستی ہوئی اور پھر وہ انتقال کر گئیں تو اگر ان کی طرف سے کوئی روزوں کی قضا کرنے والا نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلے ان کی طرف سے ایک ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہو گا۔

مذکورہ اشخاص میں سے اگر کسی نے کوئی ترکہ بھی نہیں چھوڑا کہ جس سے مسکینوں کو کھانا دیا جا سکے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور فرمایا :

﴿ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (سورۃ التغابن : ۱۶)

اللہ سے ڈرو جتنا تم میں طاقت ہو- واللہ ولی التوفیق-

سوال ۱۳ :

روزہ دار کے لیے رگ میں اور عضلات میں انجکشن لگوانے کا کیا حکم ہے نیز ان دونوں قسم کے انجکشن میں کیا فرق ہے؟

جواب :

صحیح بات یہ ہے کہ رگ میں اور عضلات میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' البتہ غذا کے انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' اسی طرح چیک اپ کے لیے خون نکلوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا' کیونکہ اس کی شکل پچھنہ لگوانے کی نہیں ہے' ہاں پچھنہ لگوانے سے علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق لگوانے والے اور لگانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"پچھنہ لگانے والے اور لگوانے والے نے روزہ توڑ دیا"-

سوال ۱۴ :

روزہ دار کے لیے دانت کے پسٹ (منجن) استعمال کرنے' نیز کان کے' ناک کے اور آنکھ کے قطرے (دوائیں) ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر روزہ دار پسٹ منجن کا اور ان قطروں کا اپنی حلق میں ذائقہ محسوس کرے تو کیا کرے؟

جواب :

پسٹ منجن کے ذریعہ دانت صاف کرنے سے مسواک کی طرح روزہ نہیں ٹوٹتا' البتہ روزہ دار کو اس کا سخت خیال رکھنا چاہیئے کہ منجن کا کچھ حصہ پیٹ کے اندر نہ جانے پائے' لیکن غیرارادی طور پر اگر کچھ اندر چلا بھی جائے تو اس پر قضا نہیں ہے-

اسی طرح آنکھ اور کان کے قطرے ڈالنے سے بھی علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق روزہ نہیں ٹوٹتا' اور اگر ان قطروں کا ذائقہ حلق میں محسوس کرے تو اس روزہ کی قضا کر لینا احوط ہے' واجب نہیں' کیونکہ آنکھ اور کان کھانے پینے کے راستے نہیں ہیں' البتہ ناک کے قطرے استعمال کرنا جائز نہیں' کیونکہ ناک کھانے پینے کا راستہ شمار ہوتی ہے' اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"اور ناک میں (وضو کے وقت) خوب اچھی طرح پانی چڑھاؤ' الا یہ کہ تم روزہ سے ہو"۔

لٰہذا مذکورہ حدیث نیز اس معنی کی دیگر احادیث کی روشنی میں اگر کسی نے روزہ کی حالت میں ناک کے قطرے استعمال کئے اور حلق میں اس کا اثر محسوس ہوا تو اس روزہ کی قضا کرنی واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۱۵ :

کسی شخص نے دانتوں میں تکلیف محسوس کی اور ڈاکٹر کے پاس گیا' ڈاکٹر نے دانتوں کی صفائی کر دی' یا تکلیف کی جگہ دانت میں کچھ بھر دیا' یا کسی دانت کو اکھاڑ دیا' تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ اور اگر ڈاکٹر نے دانت سن کرنے کا انجکشن بھی دیدیا' تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوتا ہے؟

جواب :

سوال میں مذکورہ صورت پیش آنے سے روزہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' بلکہ یہ چیز معفوعنہ ہے' البتہ اس کے لیے یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ دوا یا خون کا کچھ حصہ نگل نہ جائے۔ اسی طرح مذکورہ انجکشن سے بھی روزہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں

پڑتا' کیونکہ یہ کھانے پینے کے حکم میں نہیں ہے' اور روزہ کا صحیح اور درست ہونا ہی اصل ہے۔

سوال ۱۶ :

جس شخص نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لیا اس کا کیا حکم ہے ؟

جواب :

ایسے شخص پر کچھ نہیں' اور اس کا روزہ صحیح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (سورۃ البقرہ : ۲۸۶)

اے ہمارے رب ! ہم اگر بھول گئے یا غلطی کر بیٹھے تو ہماری گرفت نہ کر۔

اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ بندے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"میں نے تمہاری بات قبول کر لی"

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لیا' یا پی لیا' وہ اپنا روزہ پورا کر لے' کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے" (متفق علیہ)

اسی طرح اگر کسی نے روزہ کی حالت میں بھول کر بیوی سے جماع کر لی تو مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث شریف کی روشنی میں علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس کا روزہ صحیح ہے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے :

"جس نے رمضان میں بھول کر روزہ توڑ دیا تو اس پر نہ قضا ہے نہ کفارہ"۔

اس حدیث کی امام حاکم نے تخریج کی ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ جماع اور دیگر تمام مفطرات کو شامل ہیں' اگر روزہ دار نے بھول کر ایسا کیا ہو' اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل و احسان ہے۔ **فللہ الحمد والشکر علی ذلک۔**

سوال ۱۷ :

اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے رمضان کے چھوٹے ہوئے روزے قضا نہ کیے یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا اور اس کے پاس کوئی عذر بھی نہیں تھا' کیا ایسے شخص کے لیے روزوں کی قضا اور توبہ کرلینا کافی ہے' یا اس کے ساتھ ہی کفارہ بھی دینا ہو گا؟

جواب :

ایسے شخص کے لیے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی ہوگی اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا' جس کی مقدار صاع نبوی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو گرام غلہ مثلاً کھجور یا گیہوں یا چاول وغیرہ ہے۔ اس کے علاوہ اس پر اور کوئی کفارہ نہیں' صحابۂ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ کی ایک جماعت جس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں' کا یہی فتویٰ ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مرض یا سفر کی وجہ سے معذور تھا' یا عورت حمل یا رضاعت (بچہ کو دودھ پلانے) کی وجہ سے معذور تھی اور روزہ رکھنا اس کے لیے دشوار تھا' تو ایسی صورت میں چھوٹے ہوئے روزوں کی صرف قضا کرنی ہوگی۔

سوال ۱۸ :

تارک نماز کے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ روزہ رکھے تو کیا اس کا روزہ درست ہے؟

جواب :

صحیح بات یہ ہے کہ عمداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے' لہٰذا جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہ کر لے اس کا روزہ اور اسی طرح دیگر عبادات درست نہیں' کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (سورۃ الانعام : ۸۸)

اور اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو وہ سب اکارت ہو جاتا جو وہ کرتے تھے۔

نیز اس معنی کی دیگر آیات اور احادیث بھی تارک نماز کے اعمال اکارت ہو جانے کی دلیل ہیں۔

لیکن کچھ اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ تارک نماز اگر نماز کی فرضیت کا معترف ہے لیکن سستی و لاپروائی کی وجہ سے نماز چھوڑتا ہے' تو اس کا روزہ اور دیگر عبادات برباد نہیں ہوں گی' لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے' یعنی عمداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے' بھلے ہی وہ نماز کی فرضیت کا معترف ہو' کیونکہ اس قول پر بے شمار دلائل موجود ہیں' انہیں دلائل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے :

''بندہ کے درمیان اور کفرو شرک کے درمیان بس نماز چھوڑنے کا فرق ہے''۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی طریق سے روایت کیا ہے۔

اور آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی یہ حدیث بھی :

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ نماز ہے' تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا"۔

اس حدیث کو امام احمد نیز ائمہ اربعہ (ابو داود' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ) نے بریدہ بن حصین اسلمی رضی اللہ عنہ کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس بارے میں امام ابن قیم۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ نے نماز کے احکام اور نماز چھوڑنے کے احکام پر مشتمل ایک مستقل رسالہ میں سیرحاصل گفتگو کی ہے' یہ رسالہ بڑا مفید اور قابل مطالعہ ہے' اس سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

سوال ۱۹ :

جس شخص نے رمضان کے روزہ کی فرضیت کا انکار کئے بغیر روزہ چھوڑ دیا اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو لاپرواہی برتتے ہوئے ایک سے زیادہ مرتبہ رمضان کے روزے چھوڑ دے تو کیا اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟

جواب :

جس کسی نے شرعی عذر کے بغیر عمداً رمضان کا روزہ چھوڑ دیا وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا' اس کی وجہ سے وہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق کافر قرار نہیں دیا جائے گا' البتہ اس کو چھوڑے ہوئے روزے کی قضا کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی ہوگی۔بے شمار دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ کی فرضیت کا انکار کئے بغیر محض سستی ولاپرواہی کی بنا پر اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ چھوڑ دے تو اس کی وجہ سے وہ کافر شمار نہیں ہوگا' البتہ اگر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا بغیر کسی شرعی عذر کے اس نے دوسرے رمضان تک موخر کر دی تو اسے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلانا ہوگا' جیسا کہ سوال نمبر ۱۷ کے جواب میں گذر چکا ہے۔

اسی طرح زکاۃ نہ دینے اور استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کا مسئلہ بھی ہے' کہ بندہ اگر ان کی فرضیت کا منکر نہ ہو تو اس کی وجہ سے وہ کافر نہیں قرار دیا جائے گا' البتہ اسے پچھلے سالوں کی زکاۃ نکالنی ہوگی اور حج کرنا ہوگا' اور ان فرائض کی ادائیگی میں جو تاخیر ہوئی ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی ہوگی' کیونکہ اس بارے میں جو شرعی دلائل ہیں وہ عام ہیں' اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بندہ

اگر زکاۃ اور حج کی فرضیت کا منکر نہ ہو تو ان کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے وہ کافر نہیں قرار دیا جائے گا' انہی دلائل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ تارک زکاۃ کو قیامت کے دن اس کے مال کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا' پھر جنت یا جہنم کی طرف اس کا ٹھکانا دکھا دیا جائے گا۔

سوال ۲۰ :

حائضہ عورت اگر رمضان کے مہینہ میں دن میں پاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس عورت کو بقیہ دن کھانے پینے اور دیگر مفطرات سے رک جانا ہو گا' کیونکہ روزہ نہ رکھنے کا جو شرعی عذر تھا وہ زائل ہو چکا ہے' اور اسے اس دن کے روزہ کی قضا بھی کرنی ہو گی' یہ مسئلہ اسی طرح ہے کہ اگر دن میں رمضان کے چاند کی رویت ثابت ہو جائے تو جمہور اہل علم کے نزدیک مسلمان اس دن کھانے پینے اور دیگر مفطرات سے رک جائیں گے اور بعد میں اس دن کے روزہ کی قضا کریں گے' اور اسی طرح مسافر اگر دن میں سفر سے وطن واپس آجائے تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق وہ بقیہ دن کھانے پینے اور دیگر مفطرات سے رک جائے گا' کیونکہ سفر کا حکم اب ختم ہو چکا' لیکن بعد میں اسے اس دن کی قضا کرنی ہو گی۔
واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۱ :

روزہ دار کے جسم سے اگر خون نکل جائے' مثلاً نکسیر وغیرہ پھوٹ جائے تو

اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا روزہ دار کے لیے روزہ کی حالت میں اپنے خون کے کچھ حصہ کا صدقہ کرنا یا چیک اپ کے لیے خون نکلوانا جائز ہے؟

جواب :

روزہ دار کے جسم سے اگر خون نکل جائے' مثلاً نکسیر پھوٹ جائے یا استحاضہ ہو جائے تو اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا' البتہ حیض اور نفاس آنے سے نیز پچھنہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بوقت ضرورت چیک اپ کے لیے خون نکلوانے میں کوئی حرج نہیں' اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا' البتہ روزہ کی حالت میں خون کا صدقہ (تبرع) کرنے کی بابت احتیاط اسی میں ہے کہ یہ کام روزہ افطار کرنے کے بعد کیا جائے' کیونکہ اس صورت میں عموماً خون زیادہ نکالا جاتا ہے' اس لیے یہ پچھنہ لگوانے کے مشابہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۲ :

کسی روزہ دار نے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو چکا' یا یہ سمجھ کر کہ ابھی صبح صادق نہیں طلوع ہوئی ہے' کچھ کھا پی لیا' یا بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

صحیح بات یہ ہے کہ روزہ کے سلسلہ میں احتیاط برتتے ہوئے اور تساہل کا سد باب کرنے کے لیے ایسے شخص کو اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی اور بیوی سے جماع کرنے کی صورت میں جمہور اہل علم کے نزدیک ظہار کا کفارہ بھی دینا ہوگا۔

سوال ۲۳ :

جس شخص نے رمضان میں روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کرلیا اس کا کیا حکم ہے ؟ اور کیا مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی صورت میں بیوی سے جماع کرنا جائز ہے؟

جواب :

جس نے رمضان میں روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کرلیا اور اس پر روزہ فرض تھا' تو اس پر کفارہ۔ یعنی کفارۂ ظہار۔ واجب ہے' ساتھ ہی اسے اس روزہ کی قضا نیز جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی ہوگی۔ لیکن اگر وہ سفر میں تھا' یا کسی ایسے مرض کا شکار تھا جس سے اس کے لیے روزہ نہ رکھنا درست ہے' تو ایسی صورت میں اسے صرف اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی' کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوگا' کیونکہ مسافر اور مریض کے لیے روزہ توڑ دینا جائز ہے خواہ وہ جماع (ہمبستری) کے ذریعہ ہو یا کسی اور چیز کے ذریعہ' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ البقرہ : ۱۸۴)

پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے۔

اس سلسلے میں عورت کا حکم بھی وہی ہے جو مرد کا حکم ہے' یعنی اگر وہ فرض روزہ سے تھی تو اس پر کفارہ اور قضا دونوں واجب ہیں' اور اگر سفر میں تھی یا کسی ایسے مرض کا شکار تھی جس سے اس کے لیے روزہ رکھنا دشوار تھا تو ایسی صورت میں اس پر کفارہ نہیں' بلکہ صرف اس روزہ کی قضا لازم ہے۔

سوال ۲۴ :

تنفس (دمہ) وغیرہ کے مریض کے لیے روزہ کی حالت میں منہ میں بخاخ (اسپرے) استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب :

مریض اگر بخاخ (اسپرے) استعمال کرنے کے لیے مجبور ہو تو جائز ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا ٱضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (سورۃ الانعام : ۱۱۹)

اور اللہ نے تمہارے لیے بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیا ہے' ہاں مگر وہ چیزیں جن کے لیے تم مجبور ہو جاؤ۔

اور اس لیے بھی بخاخ (اسپرے) کا استعمال جائز ہے کہ یہ کھانے پینے کے قبیل سے نہیں' بلکہ چیک اپ کے لیے خون نکلوانے اور غیر مغذی انجکشن لگوانے کے زیادہ مشابہ ہے۔

سوال ۲۵ :

روزہ دار کے لیے بوقت ضرورت پائخانہ کے راستہ سے حقنہ لگوانا کیسا ہے؟

جواب :

مریض اگر ضرورتمند ہے تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق مذکورہ حقنہ لگوانے میں کوئی حرج نہیں' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ رحمہ اللہ۔ نیز دیگر بہت سے اہل علم کا یہی مسلک ہے' کیونکہ حقنہ لگوانا کھانے پینے سے مشابہت نہیں رکھتا۔

سوال ۲۶ :

روزہ کی حالت میں کسی کو خود بخود قے ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ وہ اس روزہ کی قضا کرے یا نہ کرے؟

جواب :

روزہ کی حالت میں خود بخود قے ہو جانے سے روزہ کی قضا نہیں' لیکن اگر کسی نے عمداً قے کیا ہے تو اسے اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جسے خود بخود قے ہو جائے اس پر قضا نہیں' اور جس نے عمداً قے کی اس پر قضا ہے"۔

اس حدیث کو امام احمد نیز اصحاب سنن اربعہ (ابو داود' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ) نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سوال ۲۷ :

گردہ کے مریض کے لئے روزہ کی حالت میں خون تبدیل کرانا کیسا ہے؟ وہ اس روزہ کی قضا کرے یا نہ کرے؟

جواب :

مسئولہ صورت میں روزہ کی قضا کرنی ہوگی' کیونکہ اس سے مریض کو تازہ خون مل جاتا ہے' خون کے ساتھ ہی اگر اسے اور کوئی مادہ دے دیا گیا تو وہ ایک دوسرا مفطر (روزہ توڑنے والا) شمار ہوگا۔

سوال ۲۸ :

مرد اور عورت کے لیے اعتکاف کا کیا حکم ہے ؟ اور کیا اعتکاف کرنے کے لیے روزہ شرط ہے؟ اور معتکف بحالت اعتکاف کیا کرے؟ نیز وہ اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں کس وقت داخل ہو اور کب باہر نکلے؟

جواب :

اعتکاف مرد اور عورت دونوں کے لیے سنت ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے' اور آخیر زندگی میں صرف آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے' آپ کے ساتھ بعض ازواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی تھیں' اور آپ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے اعتکاف کیا۔

اعتکاف کرنے کی جگہ وہ مساجد ہیں جن میں باجماعت نماز قائم کی جاتی ہو' اعتکاف کے دوران اگر جمعہ پڑے تو افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں اعتکاف کیا جائے۔

اعتکاف کرنے کے لیے علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق کوئی متعین وقت نہیں' اور نہ ہی اس کے لیے روزہ رکھنا شرط ہے' البتہ روزہ کی حالت میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔

سنت یہ ہے کہ معتکف نے جس وقت سے اعتکاف کرنے کی نیت کی ہے اس وقت وہ اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں داخل ہو اور جتنی دیر کے لیے اعتکاف کی نیت کی تھی وہ وقت پورا ہونے پر باہر آجائے۔ کوئی ضرورت پیش آجائے تو اعتکاف توڑ بھی سکتا ہے' کیونکہ یہ سنت ہے' اس کا پورا کرنا ضروری نہیں' البتہ اس صورت میں اعتکاف پورا کرنا ضروری ہے جب اس کی نذر مانی گئی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مستحب ہے' اور جو شخص اس عشرہ میں اعتکاف کی نیت کرے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے اکیسویں رمضان کو فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف میں داخل ہو اور آخری عشرہ مکمل ہونے پر باہر آئے۔ درمیان میں اگر وہ اعتکاف توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' الا یہ کہ اس نے اعتکاف کرنے کی نذر مانی ہو' تو اس صورت میں اعتکاف پورا کرنا ضروری ہے' جیسا کہ اوپر مذکور ہوا' افضل یہ ہے کہ معتکف مسجد کے اندر اپنے لئے کوئی مخصوص جگہ بنالے' تاکہ ضرورت محسوس ہونے پر اس میں کچھ آرام کر سکے۔

معتکف کو کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیئے اور ذکر و اذکار اور دعا و استغفار میں مشغول رہنا چاہیئے' نیز غیر ممنوع اوقات میں بکثرت (نفل) نمازیں پڑھنی چاہئیں۔

معتکف کے بعض احباب و اقارب اگر اس سے ملنے کے لیے آئیں اور یہ ان کے ساتھ گفتگو کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی حالت میں بعض ازواج مطہرات۔ رضی اللہ عنہن۔ آپ سے ملنے کے لیے آتیں اور آپ کے ساتھ گفتگو کرتی تھیں' ایک مرتبہ صفیہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لیے آئیں' اس وقت آپ رمضان میں اعتکاف میں تھے' جب وہ واپس جانے کے لیے کھڑی ہوئیں تو آپ انہیں رخصت کرنے کے لیے مسجد کے دروازہ تک تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ معتکف سے ملنے اور اس کے ساتھ گفتگو کر لینے میں کوئی حرج نہیں' نیز اس واقعہ میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے

انتہائی تواضع اور ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کے حسن معاشرت کی دلیل ہے۔

وَ صَلَّی اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ، وَ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ، وَ أَتْبَاعِهِمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.
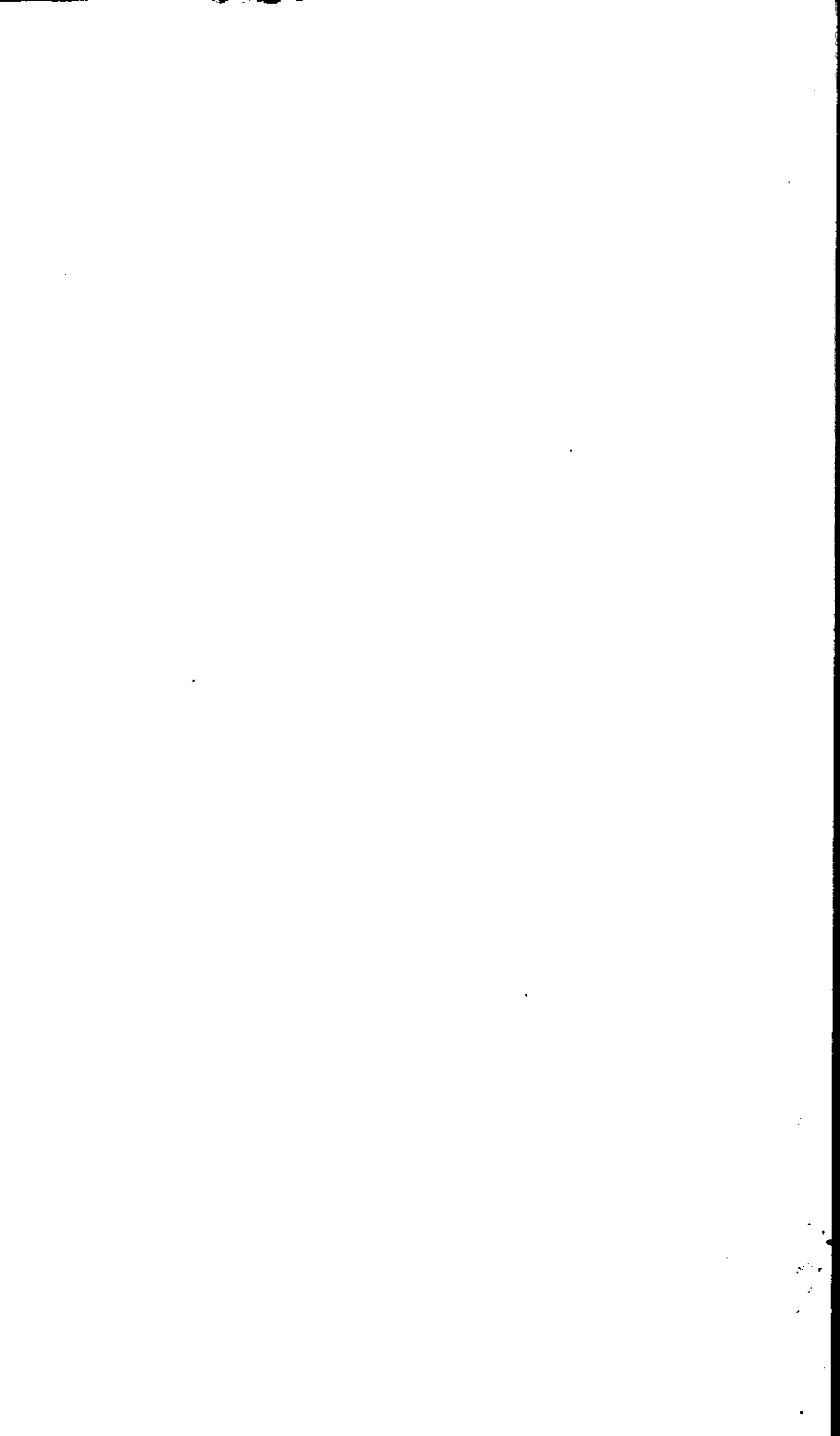
سوال ۱ :

حج کے تین اقسام کون کون سے ہیں اور ہر ایک کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہے؟ نیز ان تین اقسام میں سب سے افضل حج کون سا ہے؟

جواب :

اہل علم۔ رحمتہ اللہ علیہم۔ نے حج کی تین قسمیں بیان کی ہیں' اور ان میں سے ہر قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

پہلی قسم : یہ ہے کہ صرف عمرہ کا احرام باندھے' یعنی عمرہ کی نیت کرے اور (اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ عُمْرَۃً) یا (لَبَّیْکَ عُمْرَۃً) یا (اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَوْجَبْتُ عُمْرَۃً) کہہ کر تلبیہ پکارے' مشروع یہ ہے کہ غسل کرنے' خوشبو لگانے اور ضرورت ہو تو مونچھ کاٹنے' ناخن تراشنے اور بغل کے اور زیر ناف کے بال صاف کرنے' نیز اگر احرام باندھنے والا مرد ہو تو سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کے کپڑے چادر اور تہبند پہننے کے بعد نیت کی جائے اور مذکورہ کلمات کہے جائیں' یہی افضل ہے۔

عورت کے لیے احرام کے تعلق سے کوئی خاص لباس نہیں' بلکہ وہ جس لباس میں چاہے احرام باندھ سکتی ہے' ہاں افضل یہ ہے کہ وہ لباس جاذب نظر' حسین و جمیل اور دیکھنے والوں کے لیے باعث فتنہ نہ ہو' یہی اس کے لیے افضل ہے۔

احرام باندھتے وقت مرد یا عورت (اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ عُمْرَۃً) کہنے کے بعد اگر یہ کہہ لے کہ "اگر مجھے کوئی عذر پیش آگیا تو جس جگہ عذر پیش آئے گا میں وہیں حلال ہوجاؤں گا" یا یہ کہے کہ "اے اللہ ! میرا یہ عمل قبول فرما" یا یہ کہے کہ "اے اللہ! اس عبادت کی تکمیل میں میری مدد فرما" تو اس طرح کے الفاظ کہنے میں کوئی حرج

نہیں ہے۔

اگر محرم نے مشروط احرام باندھا' یعنی احرام باندھتے وقت اس نے یہ کہا کہ "اگر مجھے کوئی عذر پیش آگیا تو جس جگہ عذر پیش آئے گا میں وہیں حلال ہو جاؤں گا" یا اسی قسم کے کوئی اور الفاظ اس نے کہے' اور اسے واقعتہ کوئی ایسا عذر پیش آگیا جو اتمام حج سے مانع ہے' تو وہ حلال ہو جائے گا اور اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی' کیونکہ ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیمار ہونے کی شکایت کی' تو آپ نے فرمایا :

"حج کرو اور مشروط احرام باندھو کہ مجھے جہاں کوئی عذر پیش آ جائے گا میں وہیں حلال ہو جاؤں گی" (متفق علیہ)

لہٰذا اگر کوئی عورت عمرہ کے لیے مکہ آئے اور اسی طرح مشروط احرام باندھے' پھر اسے حیض آجائے اور ساتھ والے قافلہ کے انتظار نہ کرنے کی وجہ سے اپنے پاک ہونے تک اس کا مکہ میں قیام کرنا مشکل ہو' تو اس کے لیے یہ عذر تصور کیا جائے گا اور وہ حلال ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مرد کو کوئی مرض لاحق ہو گیا جو اتمام عمرہ سے مانع ہے' یا اس کے علاوہ کوئی بھی عارضہ لاحق ہو گیا جس کے سبب وہ اپنا عمرہ مکمل نہیں کر سکتا' تو وہ حلال ہو جائے گا۔ یہی حکم حج کا بھی ہے جو حج کے مذکورہ بالا اقسام میں سے دوسری قسم ہے۔

دوسری قسم : یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھے' یعنی حج کی نیت کرے اور (اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا) یا (لَبَّيْكَ حَجًّا) یا (اَللّٰهُمَّ قَدْ اَوْجَبْتُ حَجًّا) کے الفاظ کے ساتھ تلبیہ پکارے' یہاں بھی عمرہ کی طرح مشروع کاموں' مثلاً غسل کرنے' خوشبو لگانے اور سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کے کپڑے پہننے وغیرہ' سے فارغ ہونے کے

بعد یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے گا' جیسا کہ عمرہ کے بیان میں اوپر مذکور ہو چکا ہے' یہی افضل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں حج کا حکم وہی ہے جو عمرہ کا ہے' کہ مسلمان مرد اور عورت احرام اس وقت باندھیں جب وہ اللہ کے مشروع کردہ کاموں سے فارغ ہو چکے ہوں' مثلاً غسل کرنا' خوشبو لگانا اور اس قسم کی دیگر ضروریات جو احرام باندھنے سے پہلے مرد اور عورت کو پیش آ سکتی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو جس طرح عمرہ کے لیے مشروط احرام باندھنا مشروع ہے اسی طرح حج کے لیے احرام باندھتے وقت بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ "اگر مجھے کوئی ایسا عذر پیش آ گیا جو اتمام حج سے مانع ہو تو جس جگہ عذر پیش آیا میں وہیں حلال ہو جاؤں گا"۔

احرام کا میقات سے باندھنا واجب ہے' احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نہیں جا سکتا' لہٰذا اگر کوئی نجد سے یا طائف سے یا مشرق کی طرف سے آئے تو اسے طائف کی میقات "سیل" (وادی قرن) سے احرام باندھنا ہو گا' اگر کوئی شخص میقات سے پہلے احرام باندھ لے تو یہ کفایت کر جائے گا' لیکن میقات سے پہلے احرام نہ باندھنا افضل ہے' یعنی سنت یہی ہے کہ احرام پہلے نہ باندھے' بلکہ میقات پہنچنے تک موخر رکھے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات ہی سے احرام باندھا تھا۔

کوئی شخص اگر اپنے گھر ہی سے غسل کر کے' خوشبو لگا کر اور دیگر مشروع کام مثلاً مونچھ کاٹنے وغیرہ سے فارغ ہو کر نکلے' یا موقع پا کر راستہ میں ان کاموں سے فارغ ہو جائے' تو یہ کفایت کر جائے گا بشرطیکہ احرام باندھنے کا وقت قریب ہو۔

جمہور اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے' ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے جس میں آپ

نے فرمایا :

"میرے پاس میرے رب کا فرستادہ (فرشتہ) آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو : حج کے ساتھ عمرہ بھی۔ یعنی حج اور عمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پکارو (صحیح بخاری)۔ اور یہ واقعہ وادی ذوالحلیفہ میں پیش آیا تھا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد احرام باندھا تھا' اور یہ بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ نماز کے بعد احرام باندھنا افضل ہے۔

مذکورہ قول درست ہے' لیکن واضح رہے کہ احرام کی دو رکعت نماز کی مشروعیت پر کوئی واضح دلیل یا صحیح حدیث موجود نہیں' اس لیے اگر کوئی شخص دو رکعت نماز پڑھ کر احرام باندھے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اور اگر وضو کرکے دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ کر احرام باندھ لے تو بھی کافی ہے۔

تیسری قسم : یہ ہے کہ حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے' یعنی حج اور عمرہ کی ایک ساتھ نیت کرے اور (اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ عُمْرَۃً وَحَجًّا) یا (حَجًّا وَعُمْرَۃً) کہہ کر تلبیہ پکارے' یا میقات پر صرف عمرہ کا تلبیہ پکارے' پھر راستہ میں عمرہ کے ساتھ حج بھی شامل کرلے اور طواف شروع کرنے سے پہلے پہلے حج کا تلبیہ بھی پکار لے۔ اور حج کی یہ تیسری قسم "حج قران" کہلاتی ہے' جس کا مطلب حج اور عمرہ کا ایک ساتھ ادا کرنا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر "حج قران" ہی کا احرام باندھا تھا' اور عمرہ اور حج کا ایک ساتھ تلبیہ پکارا تھا' اور ہدی کے جانور اپنے ساتھ لائے تھے' جیسا کہ انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ہدی کے جانور ساتھ لانے والے کے لیے "حج قران" ہی افضل ہے' البتہ جو شخص ہدی ساتھ نہ لائے اس کے لیے "حج

تمتع" (یعنی عمرہ سے حلال ہونے کے بعد حج کا احرام باندھنا) افضل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے بعد یہی بات طے پائی' اور جن صحابہ نے "حج قران" یا "حج افراد" کا احرام باندھا تھا آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ سے بدل دیں' چنانچہ انہوں نے طواف کیا' سعی کی' بال کٹوائے اور پھر حلال ہو گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہدی کا جانور ساتھ نہ لانے والے کے لیے "حج تمتع" افضل ہے۔

حج قران یا افراد کا احرام باندھنے والا جب اپنے احرام کو عمرہ سے بدل دے تو وہ متمتع شمار ہو گا' جس شخص نے حج افراد یا قران کی نیت کی ہو اور اس کے پاس ہدی کا جانور نہ ہو تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ طواف اور سعی کر کے اور بال کٹوا کر حلال ہو جائے اور متمتع بن جائے' جیسا کہ صحابۂ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا تھا' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

"جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو ہدی کا جانور میں ساتھ نہ لاتا اور اپنے احرام کو عمرہ سے بدل دیتا"

عمرہ کرنے والا اگر حج کا ارادہ نہیں رکھتا تو وہ صرف معتمر کہلائے گا' اسے متمتع بھی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض صحابہ کے کلام میں استعمال ہوا ہے' مگر فقہاء کی اصطلاح میں ایسا شخص جو موسم حج مثلاً شوال یا ذی قعدہ میں مکہ آئے اور عمرہ کر کے اپنے وطن واپس چلا جائے معتمر ہی کہلائے گا' ہاں اگر وہ حج کی نیت کر کے مکہ میں ٹھہر جائے تو متمتع شمار ہو گا' اسی طرح جو شخص رمضان میں یا کسی اور مہینہ میں عمرہ کے لیے مکہ آئے وہ بھی معتمر کہلائے گا' عمرہ کے معنی بیت اللہ کی زیارت کے ہیں۔

حاجی اس صورت میں متمتع کہلائے گا جب وہ رمضان کے بعد موسم حج میں عمرہ کرے اور پھر حج کی نیت سے مکہ میں ٹھہرا رہے اور حج کا وقت ہونے پر حج کرے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسی طرح جس نے "حج قران" کا احرام باندھا اور احرام کو فسخ کیے بغیر حج کے لیے احرام ہی کی حالت میں باقی رہا' وہ بھی متمتع کہلائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ضمن میں شامل ہے :

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۹۶)

پس جو شخص عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کرنا چاہے تو جو میسر آئے قربانی کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قارن کو متمتع کہا جا سکتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے یہاں یہی بات معروف بھی تھی' چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع فرمایا ہے' حالانکہ آپ نے حج قران کا احرام باندھا تھا۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں متمتع وہ شخص ہے جو عمرہ کر کے حلال ہو جائے' پھر مثلاً ۸ /ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر حج کرے' اور اگر حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے اور بیچ میں عمرہ کر کے حلال نہ ہو تو قارن کہلائے گا' لیکن اگر مطلب اور حکم واضح ہو تو اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں۔

قارن اور متمتع دونوں کے احکام ایک ہیں' چنانچہ دونوں کو "ہدی" قربان کرنی ہوگی' اور ہدی میسر نہ ہونے کی صورت میں تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپس ہو کر (کل دس دن) روزہ رکھنا ہوگا' اسی طرح ہر ایک کو متمتع بھی کہا جا سکتا ہے' البتہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں دونوں کے احکام علیحدہ ہیں' چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک متمتع کو دو مرتبہ سعی کرنی ہوگی' ایک سعی طواف عمرہ کے ساتھ اور دوسری طواف حج کے ساتھ' جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے

کہ جن صحابہ نے حج تمتع کیا تھا اور عمرہ کرکے حلال ہو گئے تھے انہوں نے دوبارہ سعی کی تھی' ایک طواف عمرہ کے ساتھ اور دوسری طواف حج کے ساتھ' اور یہی جمہور اہل علم کا مسلک ہے۔

البتہ قارن کے لیے صرف ایک سعی کافی ہے' یہ سعی اگر اس نے طواف قدوم کے ساتھ کرلی تو کافی ہے' اور اگر موخر کرکے طواف حج کے ساتھ کی تو بھی کافی ہے' یہی قول معتبر ہے اور جمہور اہل علم کا مسلک بھی یہی ہے' یعنی متمتع کو دو مرتبہ سعی کرنی ہوگی اور قارن کو صرف ایک مرتبہ' جسے وہ چاہے تو طواف قدوم کے ساتھ ہی کرلے اور یہی افضل بھی ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا' یعنی آپ نے طواف کیا اور اس کے ساتھ ہی سعی بھی کرلی' اور آپ کا یہ طواف طواف قدوم تھا' کیونکہ آپ قارن تھے۔ اور اگر چاہے تو سعی کو موخر کرکے طواف حج کے ساتھ کرے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لیے رحمت اور ایک طرح کی آسانی ہے' والحمد للہ۔

یہاں پر ایک مسئلہ اور ہے جس کے تعلق سے سوال اٹھ سکتا ہے' وہ یہ کہ متمتع اگر عمرہ کرکے سفر کر جائے تو کیا دم دینا (ہدی ذبح کرنا) اس سے ساقط ہو جائے گا؟ تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معروف قول یہ ہے کہ متمتع سے دم دینا کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوگا' خواہ وہ اپنے اہل و عیال کے پاس سفر کر جائے یا کہیں اور' کیونکہ متمتع پر دم واجب ہونے کے دلائل عام ہیں۔

اور اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ متمتع اگر عمرہ سے فارغ ہو کر قصر کی مسافت تک سفر کر جائے' پھر حج کا احرام باندھ کر لوٹے تو وہ مفرد شمار ہوگا اور دم دینا اس سے ساقط ہو جائے گا۔

اہل علم کی ایک تیسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ متمتع سے دم صرف اس صورت میں ساقط ہوگا جب وہ عمرہ سے فارغ ہوکر اپنے اہل و عیال کے پاس چلا جائے' یہی قول حضرت عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ متمتع اگر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سفر کرکے اپنے اہل و عیال کے پاس چلا جائے' پھر حج کے لیے واپس مکہ آئے' تو وہ مفرد شمار ہوگا اور اسے دم نہیں دینا ہوگا' لیکن اگر اہل و عیال کے پاس جانے کے علاوہ کہیں اور جائے' مثلاً عمرہ اور حج کے درمیان مدینہ چلا جائے یا جدہ یا طائف چلا جائے تو اس سفر کی وجہ سے وہ حج تمتع کے حکم سے باہر نہیں ہوگا۔

دلیل کی رو سے یہی آخری قول ہی زیادہ واضح اور صحیح معلوم ہوتا ہے' یعنی عمرہ اور حج کے درمیان اس قسم کے سفر کی وجہ سے متمتع "حج تمتع" کے حکم سے خارج نہیں ہوگا' بلکہ وہ متمتع شمار ہوگا اور اسے دم دینا ہوگا' بھلے ہی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے مدینہ یا جدہ یا طائف کا سفر کیا ہو' ہاں اس صورت میں وہ مفرد مان لیا جائے گا جب وہ سفر کرکے اپنے اہل و عیال کے پاس چلا جائے اور پھر میقات سے حج کا احرام باندھ کر مکہ لوٹے' جیسا کہ حضرت عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے' کیونکہ بال بچوں کے پاس سفر کر جانے سے عمرہ اور حج کے درمیان تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔

بہرحال' احتیاط اسی میں ہے کہ اختلاف سے بچتے ہوئے' جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے' ہر صورت میں دم دے' بھلے ہی عمرہ کے بعد سفر کرکے وہ اپنے اہل و عیال کے پاس گیا ہو' اسی طرح جو لوگ قصر کی مسافت تک سفر کر جانے سے دم ساقط مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اختلاف سے بچتے ہوئے وہ

دم دے اور پوری سنت ادا کرے' بصورت استطاعت یہی بہتر اور افضل ہے' اور دم دینے کی استطاعت نہ ہونے پر تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپس ہو کر (کل دس دن) روزہ رکھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ۚ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۹۶)

پس جو شخص عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کرنا چاہے تو جو میسر آئے قربانی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد متمتع اور قارن سب کو شامل ہے' کیونکہ قارن کو بھی متمتع کہا جاتا ہے' جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲ :

ایک شخص نے حج کے کسی مہینہ مثلاً ذی القعدہ میں عمرہ کیا' پھر مکہ سے مدینہ چلا گیا اور حج کا وقت آنے تک وہیں ٹھہرا رہا' کیا ایسے شخص کے لیے حج تمتع کرنا ضروری ہے' یا اسے اختیار ہے کہ حج کی تین قسموں میں سے جو چاہے ادا کر لے؟

جواب :

ایسے شخص کے لیے حج تمتع کرنا ضروری نہیں' اب اگر وہ چاہے کہ دوسرا عمرہ کرکے متمتع ہو جائے۔ ان لوگوں کے مسلک کے مطابق جو کہتے ہیں کہ سفر کرنے سے حج تمتع منقطع ہو جاتا ہے۔ تو ایسا کر سکتا ہے' اور اس نئے عمرہ کے ساتھ وہ متمتع ہو جائے گا' البتہ اگر اس نے مدینہ منورہ سے (احرام باندھ کر) عمرہ ادا کیا' پھر اس کے بعد حج کیا' تو تمام اہل علم کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور وہ متمتع مانا جائے گا۔ لیکن اگر وہ چاہے کہ صرف حج کرکے واپس ہو جائے تو ایسا بھی کر سکتا ہے' لیکن اس صورت میں یہ اختلاف ہے کہ وہ ہدی قربان کرے گا یا نہیں؟ ویسے صحیح یہی ہے کہ اسے ہدی قربان کرنی ہوگی' کیونکہ صحیح قول کے مطابق عمرہ کے بعد مدینہ جانے سے حج تمتع منقطع نہیں ہوتا۔

سوال ۳ :

جو شخص حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارنے کے بعد میقات سے آگے بڑھ گیا اور کوئی شرط نہیں باندھی' پھر اسے کوئی عارضہ مثلاً مرض وغیرہ لاحق ہو گیا جو حج یا عمرہ

کی ادائیگی سے مانع ہے' تو ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیئے؟

جواب :

ایسا شخص محصر مانا جائے گا' اگر اس نے احرام کے وقت کوئی شرط نہیں باندھی تھی' پھر اسے کوئی عارضہ پیش آگیا جو حج یا عمرہ کی تکمیل سے مانع ہے' تو اگر وہ اس امید پر رک سکتا ہو کہ شاید یہ عارضہ دور ہو جائے اور وہ اپنا حج یا عمرہ مکمل کر لے تو رکا رہے گا' اور اگر اس کے لیے رکنا ممکن نہ ہو تو صحیح مسلک کے مطابق وہ محصر شمار ہو گا' اور محصر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۹۶)

اگر تم راستے میں روک دیئے جاؤ تو جو ہدی میسر ہو (قربانی کرو)۔

صحیح قول کے مطابق "احصار" دشمن کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی' لہذا جو شخص راستہ میں روک دیا جائے وہ ہدی قربان کرے اور حلق یا قصر کروا کر حلال ہو جائے' محصر کا یہی حکم ہے کہ وہ جس جگہ روکا گیا ہے وہیں ایک جانور قربان کرے' خواہ حدود حرم میں ہو یا اس سے باہر' اور اس کا گوشت وہیں کے فقراء میں تقسیم کر دے' اگر وہاں فقراء نہ ہوں تو وہ گوشت حرم کے فقراء کو یا بعض دیہات کے فقراء کو پہنچا دے' اور پھر حلق یا قصر کروا کر حلال ہو جائے' اور اگر قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو دس دن روزہ رکھے' پھر حلق یا قصر کروائے اور حلال ہو جائے۔

سوال ۴ :

ایک شخص نے میقات سے احرام باندھا لیکن تلبیہ میں "لَبَّيْكَ عُمْرَةً مُتَمَتِّعًا بِهَا إِلَى الْحَجِّ" کہنا بھول گیا' تو کیا وہ حج تمتع پورا کرے گا؟ اور عمرہ سے

حلال ہونے کے بعد جب مکہ سے حج کا احرام باندھے تو اسے کیا کرنا ہوگا؟

جواب :

مذکور شخص نے احرام باندھتے وقت اگر عمرہ کی نیت کی تھی لیکن تلبیہ پکارنا بھول گیا' حالانکہ اس کی نیت عمرہ کی تھی' تو وہ تلبیہ پکارنے والوں کے حکم میں ہے' چنانچہ وہ طواف اور سعی کرے' اور قصر کرائے اور پھر حلال ہو جائے' راستہ میں اسے تلبیہ پکارنا چاہیئے' لیکن اگر نہیں پکارا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں' کیونکہ تلبیہ پکارنا سنت موکدہ ہے' لہٰذا وہ طواف کرے' سعی کرے' قصر کرائے اور اسے عمرہ بنا لے' کیونکہ اس کی نیت عمرہ کی تھی۔

لیکن اگر اس نے احرام کے وقت حج کی نیت کی تھی' اور وقت میں گنجائش ہو تو افضل یہ ہے کہ حج کو فسخ کر کے عمرہ بنا لے' اور طواف و سعی کرے' پھر قصر کرا کے حلال ہو جائے' اور اس کا حکم حج تمتع کرنے والوں کا حکم ہوگا' والحمد للہ۔

سوال ۵ :

کسی شخص نے اپنی ماں کی طرف سے حج کیا' اور میقات پر اس نے حج کا تلبیہ بھی پکارا' لیکن ماں کی طرف سے نہیں پکارا' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

مذکور شخص کا ارادہ جب اپنی ماں کی طرف سے حج کرنے کا تھا' لیکن تلبیہ کے وقت کہنا بھول گیا تو یہ حج ماں کا حج شمار ہوگا' کیونکہ نیت ہی زیادہ قوی مانی جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا ارشاد ہے :

"یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

لہذا جب اس کے سفر کا مقصد ماں یا باپ کی طرف سے حج کرنا تھا' پھر احرام کے وقت ماں یا باپ کی طرف سے تلبیہ پکارنا بھول گیا' تو ماں یا باپ یا جس کسی کی طرف سے بھی حج کرنے کی نیت تھی اسی کا حج شمار ہوگا۔

سوال ۶ :

عورت کے لیے موزے اور دستانے میں احرام باندھنا کیسا ہے؟ اور جس کپڑے میں وہ احرام باندھ چکی ہے کیا اس کا نکالنا جائز ہے؟

جواب :

عورت کے لیے موزے یا جوتے میں احرام باندھنا افضل اور زیادہ پردے کا ذریعہ ہے' اور اگر کشادہ کپڑے میں احرام باندھ لے تو بھی کافی ہے' موزے پہن کر احرام باندھنے کے بعد اگر موزے اتار دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' جس طرح کہ مرد جوتے پہن کر احرام باندھے' پھر جب چاہے جوتے اتار دے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

البتہ عورت دستانے میں احرام نہیں باندھ سکتی' کیونکہ محرم عورت کو دستانے استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے' اسی طرح اس کے لیے چہرے پر نقاب جیسے برقع وغیرہ ڈالنا بھی درست نہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے' ہاں غیر محرم (اجنبی) مردوں کی موجودگی میں نیز طواف اور سعی کے دوران اس کے لیے چہرے پر اوڑھنی ڈالنا یا پردہ کرنا ضروری ہے' عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے' وہ بیان کرتی ہیں کہ سوار ہمارے پاس سے گذرتے تھے اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' پس جب سوار ہمارے سامنے پہنچتے تو ہم

میں سے ہر عورت اپنے سر سے پردہ گرا کر چہرہ ڈھک لیتی' اور جب وہ ہمارے پاس سے گذر جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتیں (سنن ابی داود و سنن ابن ماجہ)

مرد کے لیے احرام کی حالت میں خف (موزے) کا پہننا جائز ہے' بھلے ہی وہ ٹخنوں کے نیچے سے کٹے ہوئے نہ ہوں' جمہور کے نزدیک موزوں کا ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دینا ضروری ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جوتے نہ ملنے کی صورت میں خفین (موزوں) کا ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنا ضروری نہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں لوگوں کو خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا :

"جو تہبند نہ پائے وہ پائجامہ پہن لے' اور جو جوتے نہ پائے وہ خف (موزے) پہن لے" (متفق علیہ)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹنے کا حکم نہیں دیا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کاٹنے والا حکم منسوخ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۷ :

کیا احرام کی نیت زبان سے بول کر کی جائے گی؟ اور اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف سے حج کر رہا ہو تو کس طرح نیت کرے؟

جواب :

نیت کی جگہ دل ہے' اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں یہ نیت کرے کہ وہ فلاں شخص کی طرف سے' یا اپنے بھائی کی طرف سے' یا فلاں بن فلاں کی طرف سے حج کر رہا ہے' اس کے ساتھ ہی زبان سے (اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا عَنْ فُلَانٍ) یا

(لَبَّيْكَ عُمْرَةً عَنْ فُلَانٍ) کہنا مستحب ہے' یعنی اپنے باپ یا جس فلاں کی طرف سے حج کی نیت ہو اس کا نام لے' تاکہ دل کی نیت کو الفاظ کے ذریعہ موکد کردے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کی الفاظ کے ساتھ نیت کی ہے' اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں زبان سے حج اور عمرہ کی نیت کرنا مشروع ہے' اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے سکھلائے ہوئے طریقہ کے مطابق زبان سے نیت کی ہے' چنانچہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پکارتے تھے' سنت یہی ہے' لیکن اگر کوئی شخص بلند آواز سے نیت نہ کرے اور صرف دل کی نیت پر اکتفا کرلے تو یہ بھی کافی ہے۔

دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کی صورت میں آدمی اسی طرح اعمال حج ادا کرے گا جس طرح اپنی طرف سے حج کرتا ہے' وہ اسی طرح مطلق تلبیہ پکارے گا گویا اپنی طرف سے حج کر رہا ہو' فلاں یا فلاں کا نام ذکر کرنے کی ضرورت نہیں' لیکن اگر وہ فلاں کا نام لینا چاہے تو شروع تلبیہ میں نام لینا افضل ہے' یعنی شروع شروع میں جب احرام باندھ رہا ہو اس وقت (لَبَّيْكَ حَجًّا عَنْ فُلَانٍ) یا (لَبَّيْكَ عُمْرَةً عَنْ فُلَانٍ) یا (لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا عَنْ فُلَانٍ) کہے گا' اس کے بعد دیگر حجاج اور معتمرین کی طرح بالکل اسی طرح مسلسل تلبیہ پکارتا رہے گا گویا وہ اپنی طرف سے تلبیہ پکار رہا ہو'

"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ' لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ' إِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ' لَا شَرِيْكَ لَكَ' لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ' لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ"

سوال ۸ :

جو شخص کسی کام سے مکہ آئے اور پھر اسے حج کرنے کا موقع مل جائے' تو

کیا وہ اپنی قیامگاہ سے احرام باندھے گا یا اسے حدود حرم سے باہر جانا ہو گا؟

جواب :

جو شخص کسی ضرورت، مثلاً کسی قریبی سے ملاقات کرنے یا کسی مریض کی تیمارداری کرنے یا تجارت کی غرض سے مکہ آئے اور اس کا حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ نہ رہا ہو، پھر اسے موقع مل جائے اور وہ حج یا عمرہ کرنا چاہے تو حج کا جس جگہ مقیم ہے وہیں سے احرام باندھے گا، خواہ مکہ میں مقیم ہو یا مکہ کے مضافات میں۔ اور جب عمرہ کرنا چاہے تو اس کے لیے سنت بلکہ واجب ہے کہ حدود حرم سے باہر مقام تنعیم یا جعرانہ یا کہیں اور جاکر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھے، کیونکہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ مقام تنعیم جاکر وہاں سے احرام باندھیں، اور ان کے بھائی عبدالرحمن سے فرمایا کہ وہ انہیں حدود حرم سے باہر مقام تنعیم یا کہیں اور لے جائیں۔ یہ مسئلہ اس شخص کے لیے ہے جو عمرہ کرنا چاہے۔ اور جو حج کرنا چاہے وہ جس جگہ مقیم ہے وہیں سے احرام باندھ کر تلبیہ پکارنا شروع کر دے گا، خواہ وہ حدود حرم کے اندر مقیم ہو یا اس سے باہر، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

سوال ۹ :

کیا احرام باندھتے وقت دو رکعت نماز پڑھنی واجب ہے ؟

جواب :

احرام کے لیے دو رکعت نماز پڑھنا واجب نہیں، بلکہ اس کے مستحب ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت دو

رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے' یعنی وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے' پھر احرام باندھے' ان کی دلیل یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد احرام باندھا تھا' یعنی آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد احرام باندھا' نیز آپ نے فرمایا :

"میرے پاس میرے رب کا فرستادہ (فرشتہ) آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو : حج کے ساتھ عمرہ بھی" (یعنی حج اور عمرہ کا ایک ساتھ تلبیہ پکارو)

مذکورہ واقعہ اور حدیث احرام کی دو رکعت نماز کے مشروع ہونے کی دلیل ہے' جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے۔

اور بعض دیگر اہل علم کا خیال یہ ہے کہ احرام کی دو رکعت نماز کے بارے میں کوئی صریح دلیل موجود نہیں' کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میرے پاس میرے رب کا فرستادہ (فرشتہ) آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو" یہ احرام کی دو رکعت نماز کے بارے میں صریح دلیل نہیں' بلکہ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ فرض نمازوں میں سے کوئی نماز مراد ہو' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض نماز کے بعد احرام باندھنا احرام کی دو رکعت نماز کے مشروع ہونے کی دلیل نہیں' بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز کے بعد حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کا موقع ملے تو یہ افضل ہے۔

سوال ۱۰ :

جس شخص کو احرام کے دوران یا نماز کو جاتے ہوئے مذی یا پیشاب کے قطرے نکلنے کا احساس ہو وہ کیا کرے؟

جواب :

بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اس قسم کی بات محسوس کرے اور نماز کا وقت بھی ہو تو پیشاب یا مذی سے استنجا کرکے وضو کرلے' مذی نکلنے کی صورت میں ذکر اور خصیتین کا دھلنا ضروری ہے' البتہ پیشاب نکلنے کی صورت میں صرف ذکر کا اتنا حصہ دھلنا ہوگا جہاں تک پیشاب کے قطرے لگے ہوں' پھر اگر نماز کا وقت ہو تو وضو بھی کرلے' لیکن اگر نماز کا وقت نہ ہو تو اس کام کو نماز کا وقت ہونے تک موخر کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واضح رہے کہ یہ سب کام محض وسوسہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ یقین کی صورت میں کیا جائے گا' اگر بات صرف وسوسہ کی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا' تاکہ بندہ وسوسوں میں مبتلا نہ رہے' کیونکہ بہت سے لوگ وسوسہ کا شکار ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پیشاب یا پائخانہ کے راستہ سے کوئی چیز خارج ہوگئی ہے' حالانکہ بات ایسی نہیں ہوتی' اس لیے نفس کو وسوسوں کا عادی نہیں بنانا چاہیئے' بلکہ وسوسوں کو پس پشت ڈال دینا چاہیئے تاکہ ان کا شکار نہ ہو' اور اگر اس طرح کا کوئی اندیشہ ہو ہی جائے تو وضو کے بعد شرمگاہ کے ارد گرد پانی کا چھینٹا مار لے تاکہ وسوسوں کے شر سے محفوظ رہے۔

سوال ۱۱ :

کیا دھلنے کے لیے احرام کے کپڑے تبدیل کرنا جائز ہے؟

جواب :

احرام کے کپڑے دھلنے میں کوئی حرج نہیں' اسی طرح احرام کے کپڑے تبدیل کرنے اور ان کی جگہ دوسرے نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

سوال ۱۲ :

نیت کرنے اور تلبیہ پکارنے سے پہلے احرام کے کپڑے میں خوشبو لگانا کیسا ہے؟

جواب :

احرام کے کپڑے چادر اور تہبند میں خوشبو لگانا درست نہیں' ہاں بدن میں جیسے سر' داڑھی اور بغل وغیرہ میں خوشبو لگانا سنت ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"محرم کوئی ایسا کپڑا نہ پہنے جس میں زعفران یا ورس (کی خوشبو) لگی ہو"

اس لیے نیت کرنے اور تلبیہ پکارنے سے پہلے صرف بدن میں خوشبو لگانا سنت ہے' کپڑوں میں نہیں' اور اگر کسی نے کپڑوں میں خوشبو لگالی تو وہ انہیں دھلے بغیر نہ پہنے' یا پھر انہیں بدل کر دوسرے کپڑے استعمال کرے۔

سوال ۱۳ :

جو شخص یوم ترویہ (۸/ ذی الحجہ) سے پہلے ہی سے منیٰ میں موجود ہو اس کا کیا حکم ہے' کیا احرام باندھنے کے لیے اس کا مکہ آنا ضروری ہے یا وہ منیٰ ہی سے احرام باندھ لے ؟

جواب :

جو شخص پہلے ہی سے منیٰ میں موجود ہو اس کے لیے۔ الحمد للہ۔ منیٰ ہی سے احرام باندھ لینا مشروع ہے' اسے مکہ آنے کی ضرورت نہیں' بلکہ وقت ہونے پر وہ اپنی قیامگاہ سے ہی حج کا احرام باندھ کر تلبیہ پکارنا شروع کردے گا۔

سوال ۱۴ :

کیا متمتع کے لیے تمتع کرنے کا کوئی متعین وقت ہے؟ اور کیا وہ یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) سے پہلے حج کا احرام باندھ سکتا ہے؟

جواب :

جی ہاں ! حج تمتع کا احرام باندھنے کے لیے ایک متعین وقت ہے' اور وہ ہے شوال اور ذی قعدہ کے دو مہینے اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ' اور یہی مدت اشہرحج (حج کے مہینے) کہلاتی ہے' شوال شروع ہونے سے پہلے حج تمتع کا احرام نہیں باندھ سکتے' اور نہ ہی بقرہ عید کی رات کے بعد باندھ سکتے ہیں۔ متمتع کے لئے افضل یہ ہے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد الگ سے صرف حج کا احرام باندھے' تمتع کی یہی کامل صورت ہے' لیکن اگر حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھ لیا تو بھی متمتع کہلائے گا' اور قارن بھی ہوگا' اور دونوں صورتوں میں اسے دم دینا ہوگا' جسے ''دم تمتع'' کہا جاتا ہے' اور وہ یا تو ایک کامل ذبیحہ ہو جو قربانی کے لیے درست ہو' یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ہو (یعنی ایک اونٹ یا ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ ﴾ (سورۃ البقرہ : ۱۹۶)

پس جو شخص عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کرنا چاہے تو جو میسر آئے قربانی کرے۔

اور اگر دم دینے سے قاصر ہے تو دس دن روزہ رکھے' تین دن ایام حج میں اور سات دن اپنے وطن واپس آنے کے بعد' اور اس روزہ کے لیے کسی مدت کی تحدید نہیں' جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

اگر اس شخص نے ماہ شوال کے شروع میں عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کر کے حلال ہو گیا' تو اس عمرہ کے درمیان اور حج کا احرام باندھنے کے درمیان کی مدت ۸/ذی الحجہ تک کافی طویل ہو جاتی ہے' اس لیے افضل یہ ہے کہ وہ ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے' جیسا کہ صحابہ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا تھا' چنانچہ جب صحابہ کرام حج افراد کا احرام باندھ کر آئے اور بعض صحابہ حج قران کا' تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ (عمرہ کر کے) حلال ہو جائیں' البتہ جو لوگ "ہدی" ساتھ لائے ہیں وہ اپنے اپنے احرام میں باقی رہیں' چنانچہ جن کے پاس "ہدی" کا جانور نہیں تھا انہوں نے طواف کیا' سعی کی اور قصر کرایا اور حلال ہو گئے' اور اس طرح سے وہ متمتع بن گئے' پھر یوم ترویہ یعنی ۸/ذی الحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی قیامگاہوں سے حج کا احرام باندھ لیں' اور یہی طریقہ افضل ہے۔ لیکن اگر کسی نے ۸/ذی الحجہ سے پہلے مثلاً یکم ذی الحجہ کو یا اس سے بھی پہلے حج کا احرام باندھ لیا تو یہ بھی کافی اور درست ہے' مگر افضل یہی ہے کہ ۸/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھا جائے' جیسا کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کیا تھا۔

سوال ۱۵ :

جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے یا کسی اور غرض سے مکہ آئے اور بغیر احرام باندھے میقات سے آگے بڑھ جائے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ آئے اور بلا احرام باندھے میقات سے آگے بڑھ

جائے اس کے لیے واپس آکر میقات سے احرام باندھنا واجب ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا حکم دیا ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا :

"مدینہ کے رہنے والے ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں' اور شام کے رہنے والے جحفہ سے' اور نجد کے رہنے والے قرن منازل سے' اور یمن کے رہنے والے یلملم سے"۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لیے مقام ذوالحلیفہ کو میقات مقرر فرمایا ہے' اور اہل شام کے لیے جحفہ کو' اور اہل نجد کے لیے قرن منازل کو' اور اہل یمن کے لیے یلملم کو' اور فرمایا کہ مذکورہ مقامات ان علاقوں کے رہنے والوں کے لیے میقات ہیں' اور ان لوگوں کے لیے بھی جو وہاں کے رہنے والے نہ ہوں مگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے وہاں سے گذریں"

لہٰذا مکہ مکرمہ آنے والا اگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے آرہا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جس میقات سے گذرے وہاں سے احرام باندھ کر گذرے' چنانچہ اگر مدینہ منورہ کے راستہ سے آرہا ہے تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھے' شام یا مصر یا مغرب کے راستہ سے آرہا ہے تو مقام جحفہ (موجودہ وقت میں رابغ) سے' یمن کے راستہ سے آرہا ہے تو یلملم سے' اور نجد یا طائف کے راستہ سے آرہا ہے تو وادی قرن' جسے "قرن منازل" اور موجودہ وقت میں "سیل" کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اسے "وادی محرم" بھی کہتے ہیں' وہاں سے حج' یا عمرہ' یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے۔

جو شخص حج کے مہینوں میں مکہ آئے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ صرف عمرہ کا

احرام باندھے اور طواف، سعی اور قصر کرکے حلال ہو جائے، پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھے۔ اور اگر اشہر حج کے علاوہ کسی اور مہینے مثلاً رمضان یا شعبان میں میقات سے گذرے تو صرف عمرہ کا احرام باندھے، یہی مشروع ہے۔

اور اگر کسی دوسری غرض سے مکہ مکرمہ آئے، اور حج یا عمرہ کرنے کا اس کا ارادہ نہ ہو، بلکہ تجارت یا احباب و اقارب سے ملاقات یا کسی اور غرض سے آیا ہو، تو صحیح قول کے مطابق اس پر احرام باندھنا واجب نہیں، بلکہ بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہے، علماء کا یہی قول راجح ہے، اگرچہ اس کے لئے افضل یہ ہے کہ موقع کو غنیمت جانے اور عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو اور عمرہ کرلے۔

سوال ۱۶ :

محرم (احرام باندھنے والے) کو اگر یہ خدشہ ہو کہ وہ کسی مرض یا خوف کے سبب اپنا حج یا عمرہ پورا نہیں کر سکے گا تو کیا کرے؟

جواب :

ایسا شخص احرام باندھتے وقت یہ کہہ لے کہ اگر مجھے کوئی ایسا عارضہ پیش آگیا جو حج یا عمرہ کے پورا کرنے سے مانع ہو، تو جہاں عارضہ پیش آئے گا میں وہیں حلال ہو جاؤں گا۔

کسی عارضہ مثلاً مرض وغیرہ کا خدشہ ہونے کی صورت میں مشروط احرام باندھنا سنت ہے، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا تو آپ نے انہیں یہی حکم دیا کہ مشروط احرام باندھیں۔

سوال ۱۷ :

کیا عورت کسی بھی کپڑے میں احرام باندھ سکتی ہے؟

جواب :

جی ہاں ! عورت کسی بھی کپڑے میں احرام باندھ سکتی ہے' اس کے لیے احرام کا کوئی لباس مخصوص نہیں' جیسا کہ بعض عوام کا خیال ہے' البتہ افضل یہ ہے کہ وہ لباس خوبصورت اور جاذب نظر نہ ہوں' کیونکہ اسے مردوں کے مابین اٹھنے بیٹھنے کا اتفاق پڑے گا' اس لیے اس کے لباس خوبصورت نہیں ہونے چاہئیں' بلکہ عام لباس جیسے ہوں جس میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ ویسے اگر وہ خوبصورت لباس میں احرام باندھ لے تو اس کا احرام درست ہے' مگر خوبصورت لباس سے دور رہنا ہی افضل ہے۔

مرد کے لیے دو سفید کپڑوں میں احرام باندھنا افضل ہے' جن میں ایک تہبند ہو اور دوسری چادر' ویسے مرد اگر رنگین کپڑے میں احرام باندھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا سبز چادر میں طواف کرنا ثابت ہے' اسی طرح آپ کا کالا عمامہ باندھنا بھی ثابت ہے' حاصل کلام یہ ہے کہ رنگین کپڑے میں احرام باندھ لینے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

سوال ۱۸ :

فضائی راستہ (ہوائی جہاز) سے آنے والے حاجی اور معتمر احرام کب باندھیں؟

جواب :

فضائی راستہ (ہوائی جہاز) سے یا سمندری راستہ سے آنے والے حجاج و معتمرین بھی خشکی کے راستہ سے آنے والوں کی طرح میقات کے پاس سے احرام باندھیں' یعنی فضا میں یا سمندر میں جب میقات کے برابر پہنچیں تو احرام باندھیں' یا ہوائی جہاز اور سمندری جہاز یا کشتی کی تیز رفتاری کے پیش نظر احتیاطاً میقات سے تھوڑا پہلے ہی احرام باندھ لیں۔

سوال ۱۹ :

جس شخص کی رہائش گاہ مکہ مکرمہ اور میقات کے درمیان ہو وہ احرام کہاں سے باندھے؟

جواب :

جس کی رہائش گاہ مکہ اور میقات کے درمیان ہو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھے' جیسا کہ ام سلم کے لوگ اور اہل بحرہ نیز جدہ میں رہنے والے اپنے گھروں سے احرام باندھتے ہیں' کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں تو وہ جہاں سے روانہ ہوں وہیں سے احرام باندھیں"

اور دوسری روایت میں ہے :

"وہ اپنے گھر والوں کے پاس سے ہی احرام باندھیں' یہاں تک کہ مکہ والے خود مکہ سے احرام باندھیں"

سوال ۲۰ :

یوم ترویہ (۸/ذی الحجہ) کو حاجی کہاں سے احرام باندھیں؟

جواب :

یوم ترویہ کو حاجی صاحبان اپنی اپنی قیامگاہوں سے احرام باندھیں گے' جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مقام "ابطح" میں اپنی اپنی قیام گاہوں سے احرام باندھا تھا' اسی طرح مکہ مکرمہ میں رہنے والے بھی اپنے اپنے گھروں سے احرام باندھیں گے' کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث گذر چکی ہے' جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے :

"جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں وہ اپنے گھر والوں کے پاس سے ہی احرام باندھیں' یہاں تک کہ مکہ والے خود مکہ سے احرام باندھیں" (متفق علیہ)

سوال ۲۱ :

ایک شخص کسی ملک سے حج کی نیت سے آیا اور جدہ ہوائی اڈہ پر اترا' لیکن میقات سے احرام نہ باندھ کر جدہ شہر سے احرام باندھا' اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

جدہ ہوئی اڈہ پر اترنے والا اگر ملک شام یا مصر کا باشندہ ہے تو وہ مقام "رابغ" سے

احرام باندھے' یعنی کار یا کسی بھی سواری سے وہ "رابغ" جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر آئے' جدہ شہر سے احرام نہ باندھے۔ اور اگر نجد کے علاقہ سے آیا ہے اور احرام نہیں باندھا یہاں تک کہ جدہ پہنچ گیا' تو وہ مقام سیل یعنی وادی "قرن منازل" جائے اور وہاں سے احرام باندھے' اور اگر میقات واپس نہیں گیا اور جدہ ہی سے احرام باندھا تو اسے حج یا عمرہ کا نقص پورا کرنے کے لیے "دم" دینا ہوگا' اور "دم"۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ یا تو ایک کامل بکری ہے جو قربانی کے لیے درست ہو' اسے مکہ میں ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کرنا ہوگا' اور یا تو اونٹ یا گائے کا ساتواں (۷/۱) حصہ ہے۔

سوال ۲۲ :

ایک شخص نے حج افراد کی نیت کی' پھر مکہ پہنچ کر اس نے نیت بدل کر حج تمتع کی کرلی' چنانچہ عمرہ کیا اور پھر حلال ہوگیا' ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز وہ حج کا احرام کب اور کہاں سے باندھے؟

جواب :

مذکور شخص نے جو کیا وہی افضل ہے' چنانچہ محرم جب حج افراد کا یا حج قران کا احرام باندھ کر آئے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اس احرام کو عمرہ سے بدل دے' صحابہؓ کرام جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آئے' بعض نے حج افراد کا احرام باندھ رکھا تھا اور بعض نے حج قران کا' اور ان کے ساتھ "ہدی" کے جانور بھی نہیں تھے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہی حکم دیا کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ سے بدل دیں' چنانچہ انہوں نے طواف اور سعی کی' اور بال کٹوائے اور پھر حلال ہوگئے۔

البتہ جس کے ساتھ ''ہدی'' کا جانور ہو وہ اپنے سابقہ احرام میں ہی باقی رہے' یہاں تک کہ عید کے دن (۱۰/ذی الحجہ کو) قارن ہونے کی صورت میں حج اور عمرہ دونوں سے ایک ساتھ' اور مفرد ہونے کی صورت میں صرف حج سے فارغ ہو کر حلال ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جو شخص حج افراد کا یا حج قران کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے اور اس کے پاس ''ہدی'' کا جانور نہ ہو' تو سنت یہ ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کے احرام سے بدل دے' اور طواف و سعی کر کے اور بال کٹوا کر حلال ہو جائے' پھر حج کے وقت حج کا احرام باندھے اور دم دے کر متمتع بن جائے۔

سوال ۲۳ :

اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج تمتع کی نیت کی تھی' مگر میقات پر پہنچنے کے بعد اس نے اپنی رائے بدل دی اور حج افراد کا احرام باندھ لیا' کیا اس پر ''ہدی'' واجب ہے؟

جواب :

مذکور شخص نے اگر میقات پہنچنے سے پہلے حج تمتع کی نیت کی تھی' اور میقات پر پہنچ کر نیت بدل دی اور حج افراد کا احرام باندھ لیا' تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں' اور نہ ہی اس شخص پر کوئی فدیہ وغیرہ ہے' لیکن اگر اس نے میقات پر پہنچ کر یا میقات سے کچھ پہلے ہی حج قران کا احرام باندھ لیا' پھر اس احرام کو حج افراد کے احرام سے بدلنا چاہے' تو ایسا کرنے کا اسے اختیار نہیں' البتہ عمرہ کے احرام سے بدلنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے' کیونکہ حج قران کے احرام کو عمرہ کے احرام سے تبدیل کیا جا سکتا ہے' لیکن حج افراد کے احرام سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ قران کے احرام کو عمرہ کے احرام سے

تبدیل کرنے میں ایک مسلمان کے لیے زیادہ آسانی ہے' نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص میقات سے حج قران کا احرام باندھ لے پھر اسے حج افراد کے احرام سے تبدیل کرنا چاہے' تو ایسا نہیں کر سکتا' البتہ عمرہ کے احرام سے تبدیل کر سکتا ہے' بلکہ یہی افضل ہے' چنانچہ وہ طواف اور سعی کرے' بال کٹوائے اور حلال ہو جائے' پھر اس کے بعد جب حج کا وقت ہو تو حج کا احرام باندھے اور اس طرح متمتع بن جائے۔

سوال ۲۴ :

اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا' مگر مکہ مکرمہ پہنچ کر اس کا سفر خرچ ضائع ہوگیا اور وہ دم دینے کے لائق نہیں رہا' چنانچہ اس نے نیت بدل کر حج افراد کی کر لی' کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ اور اگر یہ حج وہ کسی دوسرے کی طرف سے (حج بدل) کر رہا تھا اور اس شخص نے اسے حج تمتع کی شرط کے ساتھ بھیجا تھا' تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

جواب :

مذکورہ مسئلہ میں اس شخص کو نیت بدلنے کا اختیار نہیں' بھلے ہی اس کا سفر خرچ ضائع ہوگیا' اگر وہ دم دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو الحمد للہ اس کا حل موجود ہے' وہ یہ کہ دس دن روزہ رکھے' تین دن ایام حج میں اور سات دن وطن واپس آنے کے بعد' اور اس طرح وہ حج تمتع کے احرام میں باقی رہے' نیز حج بدل کے لیے بھیجنے والے کی شرط پوری کرے' وہ اس طرح کہ عمرہ کا احرام باندھ کر طواف اور سعی کرے' بال

کٹوائے اور حلال ہو جائے' پھر حج کا احرام باندھ کر حج کرے اور دم دے' اور اگر دم دینے کی طاقت نہیں تو دس دن روزہ رکھے' تین دن ایام حج میں یوم عرفہ (۹/ذی الحجہ) سے پہلے پہلے' اور سات دن حج سے وطن واپس آکر' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حاجی کے لیے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کے دوران روزہ سے نہیں تھے۔

سوال ۲۵ :

ایک شخص نے حج قران کا احرام باندھا' لیکن عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے احرام کھول دیا' کیا وہ متمتع شمار ہو گا؟

جواب :

جی ہاں' حج قران کا احرام باندھنے کے بعد اگر طواف اور سعی کرنے اور بال کٹوانے کے بعد آدمی حلال ہو جائے' اور سابقہ احرام کو عمرہ کے احرام سے بدل دے' تو وہ متمتع شمار ہو گا اور اسے تمتع کا دم دینا ہو گا۔

سوال ۲۶ :

ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے حج کیا مگر نماز نہیں پڑھتا' خواہ وہ عمداً نماز چھوڑے ہوئے ہے یا محض سستی و کاہلی میں ایسا کرتا ہے؟ اور کیا اس کا یہ حج فرض حج کے لیے کافی ہو گا؟

جواب :

جس نے اس حال میں حج کیا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا' تو اگر وہ نماز کی فرضیت کا منکر ہے تو متفقہ طور پر کافر ہے اور اس کا حج بھی درست نہیں' اور اگر محض سستی و کاہلی

کی وجہ سے نماز چھوڑے ہوئے ہے تو اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے' بعض علماء کا خیال ہے کہ اس کا حج درست ہے' اور بعض کا خیال ہے کہ یہ حج درست نہیں' لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ حج درست نہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے :

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان جو فرق ہے وہ نماز ہے' تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا"

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا :

"آدمی کے اور کفر و شرک کے درمیان بس نماز چھوڑنے کا فرق ہے"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ فرمان' نماز کی فرضیت کا انکار کرنے والے اور سستی و کاہلی میں نماز چھوڑنے والے سب کو شامل ہے' واللہ ولی التوفیق۔

سوال ۲۷ :

عورت کا ایام حج میں مانع حیض گولیاں استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب :

ایام حج میں مانع حیض گولیاں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس سے فائدہ اور اچھائی مقصود ہے' تاکہ عورت بھی لوگوں کے ساتھ طواف کر سکے' اور اس کے قافلہ والے محض اس کی وجہ سے معطل ہو کر نہ رہ جائیں۔

سوال ۲۸ :

احرام باندھنے کے بعد عورت کو حیض یا نفاس کا خون آجائے تو وہ کیا کرے؟ کیا اس حال میں بیت اللہ کا طواف کرنا اس کے لیے درست ہے؟ اور کیا اس

پر طواف وداع واجب ہے؟

جواب :

عمرہ کے لیے مکہ پہنچتے ہی اگر اسے حیض یا نفاس کا خون آجائے تو پاک ہونے تک وہ رکی رہے' اور پاک ہونے کے بعد طواف اور سعی کرے' بال کٹوائے اور اس طرح عمرہ پورا کرے۔ لیکن اگر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد یا ۸/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھنے کے بعد اسے حیض یا نفاس کا خون آیا' تو وہ حج کے اعمال مثلاً عرفہ میں ٹھہرنا' مزدلفہ میں رات گذارنا' کنکری مارنا' نیز ذکر و اذکار اور تلبیہ پکارنا وغیرہ ادا کرلے' اور جب پاک ہو جائے تب حج کا طواف (طواف افاضہ) اور سعی کرے' والحمد للہ۔ اور اگر طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے بعد طواف وداع سے پہلے اسے حیض آگیا تو طواف وداع اس سے ساقط ہو جائے گا' کیونکہ حیض اور نفاس والی عورتوں پر طواف وداع نہیں ہے۔

سوال ۲۹ :

کیا ہر طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے ہی طواف کی دو رکعت نماز پڑھنی ضروری ہے؟ اور جو شخص بھول کر نہ پڑھے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

طواف کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے پیچھے ہی پڑھنا ضروری نہیں' بلکہ پورے حرم شریف میں کہیں بھی دو رکعت پڑھ لینا کافی ہے' اور اگر کوئی شخص بھول کر نہ بھی پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ یہ نماز واجب نہیں' بلکہ سنت ہے۔

سوال ۳۰ :

ایک شخص نے طواف افاضہ کو طواف وداع تک موخر کر دیا' پھر طواف افاضہ اور طواف وداع دونوں کی نیت سے ایک طواف کیا' اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا رات میں طواف افاضہ کرنا جائز ہے؟

جواب :

اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد مکہ سے واپسی کے وقت اگر طواف افاضہ کیا تو یہی طواف' طواف وداع کے لیے بھی کافی ہوگا' خواہ اس نے طواف افاضہ کے ساتھ طواف وداع کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو' حاصل یہ ہے کہ طواف افاضہ کو اگر مکہ سے واپسی کے وقت تک موخر کر دیا جائے تو یہی طواف' طواف وداع کے لیے بھی کافی ہوگا' اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے' اور اگر ایک ہی ساتھ طواف افاضہ اور طواف وداع دونوں کی نیت کرکے ایک طواف کرلے تو بھی درست ہے' اسی طرح طواف اضافہ یا طواف وداع رات میں یا دن میں کسی بھی وقت کرنا جائز ہے۔

سوال ۳۱ :

نماز کے لیے اقامت ہو چکی ہو اور حاجی یا معتمر ابھی طواف سے یا سعی سے فارغ نہ ہوا ہو تو کیا کرے؟

جواب :

جماعت کے ساتھ وہ نماز ادا کر لے' پھر جہاں سے اس نے طواف یا سعی کو روکا تھا وہیں سے شروع کرکے جو باقی رہ گیا ہے مکمل کرلے۔

سوال ۳۲ :

کیا طواف اور سعی کے لیے باوضو ہونا لازم ہے؟

جواب :

طواف کے لیے تو باوضو ہونا لازم ہے' البتہ سعی کے لیے وضو کر لے تو افضل ہے' اور اگر بغیر وضو کے سعی کرے تو بھی درست ہے۔

سوال ۳۳ :

کیا عمرہ میں طواف وداع واجب ہے؟ اور کیا طواف وداع' خواہ وہ حج کا ہو یا عمرہ کا' کر لینے کے بعد مکہ سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے؟

جواب :

عمرہ میں طواف وداع واجب نہیں' لیکن کر لینا افضل ہے' اور اگر طواف وداع کئے بغیر ہی مکہ سے روانہ ہو گیا تو بھی کوئی حرج نہیں' البتہ حج میں طواف وداع واجب ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو آپ نے حج کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا :

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مکہ سے کوچ نہ کرے یہاں تک کہ اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو"

طواف وداع کے بعد ضرورت کی کوئی بھی چیز مکہ سے خریدی جا سکتی ہے' بلکہ اگر وقفہ طویل نہ ہو تو تجارتی سامان بھی خریدا جا سکتا ہے' البتہ وقفہ۔ عرف عام میں۔ طویل ہو جانے کی صورت میں دوبارہ طواف وداع کرنا ہو گا۔

سوال ۳۴ :

کیا حج میں یا عمرہ میں طواف سے پہلے ہی سعی کر لینا جائز ہے؟

جواب :

سنت یہ ہے کہ پہلے بیت اللہ کا طواف کیا جائے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی، لیکن اگر کسی شخص نے مسئلہ نہ جانتے ہوئے پہلے سعی کرلی تو اس میں کوئی حرج نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی، تو آپ نے فرمایا : "کوئی حرج نہیں"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طواف سے پہلے سعی کرلی جائے تو بھی کافی ہے، لیکن سنت یہ ہے کہ پہلے طواف کیا جائے، پھر سعی کی جائے، خواہ حج میں ہو یا عمرہ میں۔

سوال ۳۵ :

سعی کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور سعی کہاں سے شروع کی جائے گی؟ نیز سعی کے کل کتنے چکر لگانے ہوں گے؟

جواب :

سعی صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہوگی، اور کل سات چکر لگانے ہوں گے، پہلا چکر صفا سے شروع ہوگا اور آخری چکر مروہ پر ختم ہوگا، سعی کے دوران اللہ تعالیٰ کے ذکر، تسبیح اور دعا میں مشغول رہنا چاہیئے، نیز صفا اور مروہ پر قبلہ رخ کھڑے ہو کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تین تین بار تکبیر کہنا چاہیئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔

سوال ۳۶ :

حج میں یا عمرہ میں دیگر اعمال سے فارغ ہونے کے بعد حلق کرانا افضل ہے یا قصر کرانا؟ اور کیا سر کے بعض حصہ کا قصر کرا لینا کافی ہے؟

جواب :

حج میں یا عمرہ میں حلق کرانا ہی افضل ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لیے تین بار رحمت و مغفرت کی دعا فرمائی اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار' اس لیے حلق کرانا ہی افضل ہے' لیکن عمرہ کے بعد اگر حج کا وقت قریب ہو تو افضل یہ ہے کہ عمرہ میں قصر کرالے تاکہ حج میں حلق کرا سکے' کیونکہ حج' عمرہ سے اکمل ہے' اس لیے اکمل (حج) کے لیے اکمل (حلق کرانا) ہی ہونا چاہیئے' لیکن عمرہ کے بعد اگر حج کا زمانہ دور ہے' مثلاً شوال میں عمرہ کیا' اور اس وقت سے حج تک میں اس کے بال اتنے بڑھ سکتے ہیں کہ حلق کرا سکے' تو ایسی صورت میں عمرہ میں بھی حلق کرالے تاکہ حلق کرانے کی فضیلت حاصل کر سکے۔

رہا مسئلہ سر کے بعض حصہ کے حلق کرانے یا قصر کرانے کا' تو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ کافی نہیں' بلکہ پورے سر کا حلق کرانا یا قصر کرانا واجب ہے' یہ بھی ملحوظ رہے کہ حلق یا قصر کراتے وقت سر کے دائیں جانب سے شروع کرنا افضل ہے۔

سوال ۳۷ :

حاجی عرفہ کے لیے کب روانہ ہو اور وہاں سے کب واپس لوٹے؟

جواب :

عرفہ کے لیے ۹/ ذی الحجہ کی صبح کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد روانہ ہونا مشروع ہے' وہاں پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ۔ رضی اللہ عنہم۔ کی اتباع کرتے ہوئے ظہر اور عصر کی نماز قصر کرکے اور جمع تقدیم کے ساتھ ایک اذان اور

دو اقامت سے پڑھے' پھر آفتاب غروب ہونے تک وہیں ذکر و دعا' تلاوت قرآن اور تلبیہ پکارنے میں مصروف رہے' عرفہ کے دن اس دعا کا کثرت سے پڑھنا مشروع ہے :

"لآ اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ' وَحْدَهُ لا شَرِيْكَ لَهُ' لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ' وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ ' وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ ' وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ' وَ لآ اِلٰهَ اِلا اللّٰهُ ' وَلا حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلا بِاللّٰه"

ہاتھ اٹھا کر اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرے' اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھے' واضح رہے کہ پورا میدان عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

غروب آفتاب کے بعد اطمینان و وقار کے ساتھ مزدلفہ کے لیے روانہ ہو' اور راستہ میں کثرت سے تلبیہ پکارے' مزدلفہ پہنچ کر ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی دو رکعت نماز قصر اور جمع تاخیر کر کے پڑھے۔

سوال ۳۸ :

مزدلفہ میں رات گذارنے کا کیا حکم ہے ؟ اور وہاں کتنا ٹھہرنا ہے ؟ نیز منیٰ کے لیے حجاج کب واپس ہوں گے؟

جواب :

صحیح قول کے مطابق مزدلفہ میں رات گذارنا واجب ہے' اور بعض علماء نے مستحب اور بعض نے حج کا رکن بتایا ہے' لیکن صحیح قول وجوب کا ہے' جس نے مزدلفہ میں رات نہیں گذاری اسے دم دینا ہو گا۔

سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد جب خوب اجالا ہو جائے تب مزدلفہ سے روانہ ہوں' یعنی مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا و استغفار میں مشغول رہیں' اور جب خوب اجالا ہو جائے تب تلبیہ پکارتے ہوئے منیٰ کے لیے روانہ ہوں۔

کمزور مرد و عورت نیز عمر رسیدہ لوگ آدھی رات گذر جانے کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو رخصت دی ہے' لیکن صحت مند لوگوں کے لیے سنت یہی ہے کہ وہ پوری رات مزدلفہ میں گذاریں' اور فجر کی نماز کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول رہیں' اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہوں۔ عرفہ کی طرح مزدلفہ میں بھی قبلہ رخ ہو کر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے' نیز عرفہ ہی کی طرح پورے میدان مزدلفہ میں کہیں بھی ٹھہرا جا سکتا ہے۔

سوال ۳۹ :

ایام تشریق میں عمداً یا جگہ نہ ملنے کے سبب منیٰ سے باہر رات گذارنا کیسا ہے؟ نیز حجاج کرام منیٰ سے کب واپس روانہ ہوں گے؟

جواب :

صحیح قول کے مطابق ذی الحجہ کی گیارہویں اور بارہویں رات منیٰ میں گذارنی واجب ہے' محقق اہل علم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے' البتہ منیٰ میں جگہ نہ مل سکنے کی صورت میں یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور رات نہ گذارنے کی وجہ سے کوئی فدیہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا' لیکن بلا عذر منیٰ میں رات نہ گذارنے کی صورت میں دم

واجب ہو جاتا ہے۔

ذی الحجہ کی بارہ تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد جمرات کو کنکریاں مار کر حجاج منیٰ سے واپس ہو سکتے ہیں، لیکن تیرہ تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مار کر واپس ہونا افضل ہے۔

سوال ۴۰ :

حاجی کے لیے یوم النحر (۱۰/ذی الحجہ) کے اعمال کی ادائیگی کے لیے کیا طریقہ افضل ہے؟ اور کیا یوم النحر کے اعمال میں تقدیم و تاخیر جائز ہے؟

جواب :

سنت یہ ہے کہ یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کو، جو مکہ مکرمہ سے قریب ہے، سات الگ الگ کنکریاں مارے، اور ہر کنکری کے ساتھ "اللہ اکبر" کہے، پھر اگر اس کے پاس "ہدی" کا جانور ہے تو اسے قربان کرے، پھر حلق یا قصر کرائے، ویسے حلق کرانا زیادہ بہتر ہے، پھر طواف افاضہ کرے، اور اگر اس کے ذمہ سعی ہے تو سعی بھی کرے، یہی طریقہ افضل ہے، نبی صلی اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا تھا، یعنی اس ترتیب سے اعمال حج کا ادا کرنا افضل ہے : رمی جمرہ، پھر قربانی، پھر حلق یا قصر، پھر طواف اور اگر سعی واجب ہے تو سعی بھی۔ لیکن اگر کسی نے یہ ترتیب برقرار نہیں رکھی، مثلاً رمی جمرہ سے پہلے قربانی کر دی یا طواف کر لیا یا حلق کرا لیا، یا قربانی کے پہلے حلق کرا لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والوں میں جنھوں نے اس ترتیب کو برقرار نہیں رکھا تھا ان کے بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا : "کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں"

سوال ۴۱ :

مریض، عورت اور بچہ کی طرف سے رمی جمار کے لیے نائب مقرر کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب :

مریض کی طرف سے اور معذور عورت مثلاً حاملہ یا بھاری بھرکم جسم والی یا کمزور عورت جو رمی نہ کر سکتی ہو، ان سب کی طرف سے رمی جمار کے لیے نائب مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ طاقتور اور نشاط والی عورت خود کنکری مارے، اسی طرح جو شخص دن میں زوال آفتاب کے بعد کنکری مارنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ رات میں کنکریاں مارے، اور جو ۱۰/ ذی الحجہ کو عید کے دن کنکری نہ مار سکا وہ اس کے عوض گیارہویں رات میں کنکری مارے، اور جو گیارہ تاریخ کو دن میں کنکری نہ مار سکا وہ اس کے عوض بارہویں رات میں کنکری مارے، اور جو بارہ تاریخ کو کنکری نہ مار سکا یا زوال کے بعد نہ مار سکا وہ اس کے عوض تیرہویں رات میں کنکری مارے، اور تیرہویں رات میں طلوع فجر کے ساتھ ہی کنکری مارنے کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے، واضح رہے کہ ایام تشریق (یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) میں دن میں زوال آفتاب کے بعد ہی رمی کی جائے گی۔

سوال ۴۲ :

کیا ایام تشریق میں تینوں جمرات کو بلا عذر رات میں کنکریاں مار سکتے ہیں؟ اور کیا قربانی کی رات عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہو جانے والا شخص رات ہی میں جمرۂ عقبہ کو کنکری مار سکتا ہے؟

جواب :

صحیح قول کے مطابق غروب آفتاب کے بعد کنکری مارنا جائز ہے' لیکن سنت یہ ہے کہ دن میں زوال آفتاب کے بعد سے لے کر غروب آفتاب کے درمیان کنکری ماری جائے' لہٰذا ممکن ہونے کی صورت میں یہی افضل ہے' البتہ کوئی دشواری ہو تو صحیح قول کے مطابق غروب آفتاب کے بعد رمی کر سکتا ہے۔

جو شخص آدھی رات کے بعد عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ مزدلفہ سے منیٰ چلا آئے وہ کنکری مارنے کے سلسلہ میں انہی عورتوں اور کمزوروں کے حکم میں ہے' لہٰذا عورتوں کے محرم' ڈرائیور اور اسی طرح وہ طاقتور مرد جو عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد منیٰ چلے آئیں وہ عورتوں کے ساتھ آخیر رات ہی میں کنکری مار سکتے ہیں۔

سوال ۴۳ :

حاجی جمرات کو کنکری مارنا کب شروع کریں گے اور کب ختم کریں گے؟ نیز کنکری مارنے کا طریقہ کیا ہے اور کنکریوں کی تعداد کیا ہوگی؟ اور کس جمرہ سے کنکری مارنا شروع کریں گے؟

جواب :

عید کے دن صرف پہلے جمرہ کو کنکری ماریں گے جو مکہ سے قریب ہے اور جسے ''جمرۂ عقبہ'' کہا جاتا ہے' قربانی کی رات آدھی رات کے بعد اگر جمرۂ عقبہ کو کنکری مار لے تو کافی ہوگا' مگر افضل یہ ہے کہ دن میں چاشت کے وقت سے لے کر غروب آفتاب کے درمیان کسی بھی وقت کنکری مارے' اگر دن میں کنکری نہیں مار سکا تو اس

کے عوض گیارہویں رات میں غروب آفتاب کے بعد مارے۔

کنکری مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ سات کنکریاں یکے بعد دیگرے مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے' البتہ ایام تشریق میں زوال آفتاب کے بعد کنکری ماری جائے گی' سب سے پہلے جمرۂ اولیٰ کو سات کنکریاں ماری جائیں گی جو مسجد خیف کے قریب ہے' اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہا جائے گا' پھر اسی طرح جمرۂ وسطی کو سات کنکریاں' اور پھر جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں ماری جائیں گی' یہ کام گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو' اور جو شخص واپس ہونے میں جلدی نہ کرے اس کو تیرہ ذی الحجہ کو بھی کرنے ہوں گے۔

سنت یہ ہے کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطی کو کنکری مارنے کے بعد ان کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے' جمرۂ اولیٰ کو کنکری مارنے کے بعد جمرہ کو اپنے بائیں جانب کرکے قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور دیر تک دعا کرے' پھر جمرۂ وسطی کو کنکری مارنے کے بعد جمرہ کو اپنے دائیں جانب کرکے قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور دیر تک دعا کرے' ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو' اور اگر واپس ہونے میں جلدی نہ ہو تو تیرہ تاریخ کو بھی تینوں دن ایسا ہی کرے' البتہ جمرۂ عقبہ جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اسے کنکری مار کر آگے بڑھ جائے اور اس کے پاس کھڑا ہو کر دعا نہ کرے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صرف رمی کی ہے' اس کے پاس کھڑے ہو کر دعا نہیں فرمائی ہے۔

سوال ۴۴ :

جس شخص کو یہ شبہ ہو کہ بعض کنکریاں حوض میں نہیں گری ہیں وہ کیا کرے؟

جواب :

جس کو اس قسم کا شبہ ہو جائے وہ منیٰ ہی سے دوسری کنکریاں لے اور تعداد پوری کرے۔

سوال ۴۵ :

کیا حجاج کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جمرات کے ارد گرد پڑی ہوئی کنکریوں سے جمرات کی رمی کریں؟

جواب :

ہاں ایسا کر سکتے ہیں' کیونکہ حقیقت میں ان کنکریوں سے رمی نہیں کی گئی ہوتی ہے' البتہ حوض میں پڑی کنکریوں سے رمی کرنا درست نہیں۔

فہرست موضوعات

عقیدہ

نماز

	یا بطور استحباب؟	
۶۰ ۔	مسبوق سے اگر نماز میں بھول چوک ہو جائے تو کیا وہ سجدۂ سہو کرے' اور کب کرے؟ نیز مقتدی سے اگر بھول چوک ہو جائے تو کیا اسے سجدۂ سہو کرنا ہے؟	۱۳۶
۶۱ ۔	اگر کسی نے چار رکعت والی نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھ دی' یا سجدہ میں قرأت کر دی' یا دونوں سجدوں کے درمیان "سبحان ربي العظيم" پڑھ دیا' یا سری نماز میں بلند آواز سے یا جہری نماز میں آہستہ سے قرأت کر دی' تو کیا ان حالات میں اس کے لئے سجدۂ سہو کرنا مشروع ہے؟	۱۳۶
۶۲ ۔	بعض لوگ جمع اور قصر کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں' اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور کیا مسافر کے لئے صرف قصر کرنا افضل ہے یا جمع اور قصر دونوں؟	۱۳۸
۶۳ ۔	ایک شخص ابھی شہر ہی میں ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا' پھر وہ نماز ادا کئے بغیر سفر کے لئے نکل پڑا' تو کیا اس کے لئے قصر اور جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایسے ہی ایک شخص نے ظہر اور عصر کی نمازیں سفر میں قصر اور جمع کے ساتھ پڑھ لیں' پھر وہ عصر کے وقت ہی میں شہر پہنچ گیا' تو کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟	۱۳۹
۶۴ ۔	جس سفر میں قصر کرنا جائز ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کی مسافت کی کوئی مقدار متعین ہے؟ اور اگر کوئی شخص سفر میں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتا ہو تو کیا وہ قصر کی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟	۱۴۰

زکوٰۃ

حج

ح المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بسلطانة ، ١٤١٨هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن باز ، عبدالعزيز بن عبدالله بن عبدالرحمن
تحفة الاخوان بأجوبة مهمة تتعلق بأركان الإسلام / ترجمة أبوالمكرم بن عبد الجليل، عتيق الرحمن الأثري.- الرياض.
٠٠٠ ص، ٠٠سم
ردمك ٥ - ٥٦ - ٨٢٨ - ٩٩٦٠
١- العبادات (فقه اسلامي) ٢- الفقه الحنبلي أ- عبدالجليل، أبوالمكرم (مترجم) ب- الأثري،عتيق الرحمن (مترجم) ج-العنوان
ديوي ٢٥٢ ١٨/٣٧١١

رقم الإيداع :١٨/٣٧١١
ردمك : ٥ - ٥٦ -٨٢٨- ٩٩٦٠-

الطبعة الأولى

١٤١٩هـ

جمع وترتيب

محمد بن شايع بن عبد العزيز الشايع

ترجمة إلى اللغة الأردية

ابو المكرم بن عبد الجليل　　عتيق الرحمن الأثري

طُبع تحت إشراف

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات بسلطانة

طبع على نفقة أحد المحسنين جزاه الله خيراً وغفر له ولوالديه ولجميع المسملين

وقف لله تعالى

المكتب التعاوني للدعوة والإرشاد وتوعية الجاليات في حي سلطانة بالرياض

تحت إشراف وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

هاتف ٤٢٤٠٠٧٧ فاكس ٤٢٥١٠٠٥ ص.ب ٩٢٦٧٥ الرياض ١١٦٦٣ شارع السويدي- المملكة العربية السعودية